اسلام میں جاگیرداری اور زراعت

جناب ڈاکٹر نور محمد غفاری

اسلام میں موجودہ اور قدیم شکل کی جاگیرداری کا جواز ہے یا نہیں ؟ یہ ایک ایسا اہم موضوع ہے، جس پر فقہاء کرام، علماء اسلام اور مسلم معیشت دان بارہا اپنی قیمتی آراء کا اظہار کر چکے ہیں، ان کی آراء کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

۱ ۔ جاگیردارانہ نظام کی تائید اور جواز میں آراء ۔

۲ ۔ جاگیردارانہ نظام کی مخالفت میں آراء ۔

یہ بات بلا شک و تردد کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام کسی بھی طرح موجودہ یا قدیم ظالمانہ جاگیرداری نظام سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا اسلام نے مشروط طور پر ملکیتِ زمین کی اجازت ضرور دی ہے مگر اس کے نتیجہ میں انسانوں کو آقا اور غلام ، با اختیار اور بے اختیار، سرکش اور تابع فرمان ، ظالم اور مظلوم کے طبقوں میں تقسیم ہرگز ہرگز نہیں کیا ۔ ہمارے اس تحقیقی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے آئیے ہم مختلف اہم موضوعات کا جائزہ لیتے ہیں، جو ہمیں اس نتیجہ تک رسائی میں مدد دیں گے ۔ آئیے شروع کرتے ہیں، زمین بحیثیت عامل پیدائش سے ۔

۱ ۔ زمین

اسلامی معاشیات میں زمین سے مراد صرف قشر الارض (زمین کی سطح) یا زمین مراد نہیں بلکہ وہ تمام قدرتی وسائل و عطیات مراد ہیں جو اللہ کریم نے اپنے بندوں کو عطا فرمائے ہیں جن پر محنت کر کے وہ اپنی روزی تلاش کرتے ہیں اور معاشی ترقیات حاصل کرتے ہیں ۔

زمین بحیثیت عامل پیدائش میں مندرجہ ذیل عناصر شامل ہیں ۔

۱ ۔ زمین کی سطح جو کاشت کاری، تعمیرات اور معاشی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے کام آتی ہے ۔

قرآن مجید نے اپنے معجزانہ انداز میں اس طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ (الانشقاق (۸۴ : ۳)

ترجمہ: اور جب زمین پھیلائی گئی۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔

(سورۃ البقرۃ ۲ : ۲۲)

ترجمہ: (تمہارا رب وہ ذات ہے) جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت۔ پھر آسمان سے پانی نازل فرمایا، جس سے میوے (پھل) تمہارے رزق کے لیے پیدا فرمائے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا۔ (سورۃ طٰہٰ (۲۰) : ۵۳)

ترجمہ: وہ ذات (پاک) ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ۔ (سورۃ الغاشیۃ (۸۸) : ۲۰)

ترجمہ: اور زمین کی طرف (دیکھو اس کی) کیسے سطح بنائی گئی ہے؟

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا (سورۃ مؤمن ۴۰ : ۶۴

ترجمہ: اللہ کریم وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے جائے قرار (وسکون) ٹھہرایا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا۔ (سورۃ نوح (۷۱) : ۱۹)

ترجمہ: اور اللہ کریم نے تمہارے لیے زمین کو بنا دیا بچھونا۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا۔ (سورۃ النبأ (۷۸) : ۶)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا۔ (سورۃ ھود (۱۱) : ۶۱)

ترجمہ: اور بسایا تم کو اس (زمین) میں۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَّجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقَىٰ بِمَاءٍ وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا

عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ط اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔

(سورۃ الرعد (۱۳) : ۴)

ترجمہ : اور زمین میں مختلف کھیت ہیں جو ایک دوسرے سے متصل ہیں اور انگور کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی اور بعض بن ملی ہیں حالانکہ انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو بعض پر پھل میں بڑھا دیتے ہیں۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط

(سورۃ الاعراف (۷) : ۱۰)

ترجمہ : اور ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا اور ہم نے اسی میں تمہاری معاش رکھ دی۔

۲۔ سطح زمین پر واقع بلند و بالا پہاڑ جن کا تتمّہ، جن کی وادیاں، جن کے سبزہ زار، جن کے جنگلات اور چراگاہیں انسان کے معاش اور پیدائش دولت میں معاون ہیں۔ اس ضمن قرآن مجید کے چند نظائر ملاحظہ ہوں :

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (سورۃ النحل (۱۶) : ۱۵)

ترجمہ : اور زمین پر بھاری بوجھ (پہاڑ) رکھ دیے کہ کہیں تمہیں لے کر جھک نہ پڑے اور دریا بہا دیے اور رستے بنا دیے تاکہ تم راہ پا سکو۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ۔ (سورۃ قٓ (۵۰) : ۷)

ترجمہ : اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس پر بھاری بوجھ (پہاڑ) رکھ دیے اور اس میں رونق کی ہر شئے کو اُگایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا۔

سورۃ الرعد (۱۳) : ۳)

ترجمہ: وہی ذات ہے۔ جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بوجھل پہاڑ رکھ دیے اور دریا بہا دیے۔

۳۔ زمین کی سطح پر رواں دریا، موجیں مارتے سمندر، گہری جھیلیں۔ ندی نالے، زمین کے اوپر اور اندر آبی ذخائر مراد ہیں۔ جن سے انسان مچھلیاں اپنی خوراک کے لیے پکڑتا ہے۔ سمندروں اور دریاؤں کو جہازوں اور کشتیوں کے ذریعہ پار کرتا ہے جو اس کے لیے ذرائع نقل و حمل کا کام دیتے ہیں۔ دریاؤں کی بلندیوں سے گرتے پانی کے ذریعہ بجلی پیدا کرتا ہے، جس سے نہ صرف اپنا گھر روشن کرتا ہے۔ سردی میں تاپتا ہے بلکہ کارخانے، ملیں اور ریل گاڑیاں چلاتا ہے۔ اسی پانی سے اپنی بے گیاہ زمین سیراب کر کے اُسے لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کر لیتا ہے۔ منوں اناج اُٹھا کر اپنا اور ابنائے جنس کا پیٹ بھرتا ہے اور آتشِ شکم ٹھنڈی کرتا ہے۔ زمین کے پانی کی نعمت کیا ہے انسانی زندگی کی روح اور جان ہے۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔ (سورۃ الانبیآء (۲۱): ۳۰)

ترجمہ: اور پانی سے ہم نے ہر شے کو زندگی بخشی۔

پانی بحیثیت معاشی عامل کے متعلق قرآن حکیم کی ان آیات کے علاوہ جن کا ذکر نمبر ۲ کے تحت کیا گیا ہے۔ چند مزید نظائر قابلِ توجہ ہیں۔

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔ (سورۃ البقرۃ (۲): ۱۶۴)

ترجمہ: اور جو پانی اللہ کریم نے آسمان سے نازل کیا۔ پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۔

(سورۃ البقرۃ (۲) ۲۲)

ترجمہ: اور آسمان سے پانی نازل کیا اور اس سے تمہارے رزق کے لیے میوہ جات پیدا کیے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا

(سورۃ الرعد (۱۳) : ۱۷)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ ۔ (سورۃ النحل (۱۶) : ۱۰)

ترجمہ : وہی ذات ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی نازل فرمایا جو پینے کے کام آتا ہے اور جس سے درخت اُگتے ہیں ۔

۴ ۔ زمین کے اندر کے تمام معدنی ذخائر اور دھاتیں ، جنہیں کام میں لا کر انسان اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے لے کر معاشی ترقی کی منازل تک طے کرتا ہے ، بھی زمین بحیثیت عامل پیدائش میں شامل ہیں ۔ اس سلسلہ میں چند قرآنی نظائر قابل توجہ ہیں ۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۔

(سورۃ طٰہٰ (۲۰) : ۶)

ترجمہ : اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے ۔

وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (سورۃ المنافقون)

ترجمہ : اور اللہ کریم ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے خزانے ۔

۵ ۔ زمین بحیثیت عامل پیدائش میں آسمان سے نازل ہونے والی تمام برکات اور زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں جمع اور پنہاں شدہ تمام برکات بھی شامل ہیں مثلاً ہوا ، گرمی ، سردی ، سورج کی روشنی وغیرہ جو انسان میں نشاط پیدا کر کے اُسے معاشی عمل کے لیے تیار کرتی ہیں ، فصلوں کی کاشت اور برداشت کے لیے لازمی ہیں ، عمل پیدائش کو جاری رکھنے کے لیے ضروری ہیں ۔ اس بارے میں یہ نظائر ملاحظہ کریں ۔

وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۔ (سورۃ الذّٰرِیٰتِ (۵۱) ۲۲)

ترجمہ : اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۔

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۔ (سورۃ غافر (۴۰) : ۱۳)

ترجمہ : اور وُہ آسمان سے تمہارے لیے رزق اُتارتا ہے ۔

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔

(سورۃ البقرۃ (۲) : ۱۶۴)

ترجمہ : اور اس پانی میں جو اللہ کریم نے آسمان سے اُتارا پھر اُس سے زمین کو بے گیاہ ہونے کے بعد زندہ کیا اور اُس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے بیچ معلق ہے، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں ۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۔

(سورۃ الروم (۳۰) : ۴۸)

ترجمہ : وُہ اللہ کریم ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے جو بادلوں کو اُٹھاتی ہیں، پھر وہ بادلوں کو آسمان میں جس طرح چاہے پھیلا دیتا ہے اور انہیں تہہ بہ تہہ رکھتا ہے ۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ مینہ اس کے درمیان سے نکلتا ہے ۔ پھر جب وُہ اُسے اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اُسے پہنچا دیتا ہے تو وہ بھی خوشیاں کرنے لگ جاتے ہیں ۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۔ (سورۃ الحجر (۱۵) ۲۲)

ترجمہ : اور ہم نے پانی سے بھری ہوائیں چلائیں، پھر ہم نے آسمان سے پانی اُتارا پھر تمہیں اُس سے سیراب کیا ۔ حالانکہ تم اس کا خزانہ نہیں رکھنے والے ۔

الغرض، ان تمام قرآنی نظائر کی روشنی میں آپ نے یہ دیکھ لیا ہوگا کہ زمین بحیثیت عامل پیدائش اللہ کریم کا اپنے بندوں کے لیے ایک ایسا عطیہ ہے جو بہت سے ایسے فوائد کو شامل ہے جن کا تعلق انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات سے لے کر اس کی اقتصادی ترقی کی ممکنہ انتہائی صورت تک تمام مدارج سے ہے۔

زمین اور جدید معاشیات کی تنگ دامنی

جدید یا روائتی معاشیات نے زمین بحیثیت عامل پیدائش کو جس انداز میں زیر بحث لایا ہے اس سے زمین کی اہمیت وافادیت، زمین کی آباد کاری، ترقی و توسیع، زمین کی ملکیت وغیرہ ایسے نہایت اہم موضوعات کے بارے میں اس کی تنگ دامنی پر حیرت ہوتی ہے۔
جدید معیشت نے "زمین" کی بحث کو صرف زمین کا تعارف بحیثیت عامل پیدائش اور زمین کا معاوضہ بصورت لگان تک محدود رکھا ہے۔ اگر اس نے کہیں بے آباد زمینوں کی آباد کاری کا ذکر کیا ہے تو اس کا مقصد بھی زمین کے کم ہونے کی صورت میں بھاری شرح لگان سے بچاؤ بتایا ہے۔
ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روایتی معاشیات کے ماہرین (ریکارڈو وغیرہ) نے لگان کی مقدار، شرح اور وصولی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے باقاعدہ درجہ بندی کا طریقہ بتایا ہے اور لوں اچھی اور آبادی کے قریب کی زمینوں کو جلد قابل کاشت بنانے اور پھر بتدریج دور دراز کی زمینوں کو آباد کر کے کم لگان دے کر زیادہ فائدہ اٹھانے کا تصور دیا ہے۔
جدید معیشت دانوں نے زمین کے لگان کی بحث کو مکانوں کے کرایہ جات تک بڑھایا ہے اور یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ شہری علاقہ کے درمیان، ایک کنارہ پر واقع، گنجان آباد علاقہ اور غیر آباد علاقہ میں واقع مکانات کے کرایوں میں کیوں تفاوت ہوتا ہے۔
مگر جدید معیشت دانوں کی نگاہ سے غالباً زمین بحیثیت عامل اور ذرائع پیدائش کا اہم ترین پہلو اوجھل رہا ہے کہ زمین اللہ کریم کا عطیہ ہے اس کا تعلق انسانوں کی بنیادی ضروریات زندگی سے ہے اور انسانوں کو دیگر عاملین پیدائش محنت اور سرمایہ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ان دونوں عاملین پیدائش کا تصور ہی غیر ممکن ہے۔ کیا یہ زمین کسی فرد یا چند

افراد کی ملکیت بن سکتی ہے ؟ بے آباد زمینوں کو آباد کر کے زمین کی مقدار بڑھانے کی ضرورت کیا لگان کے علاوہ بھی ہے ؟ بے آباد زمینوں کو آباد کرنے کے مسائل کیا ہوں گے ؟، ان بے آباد زمینوں کو آباد کرنے کے وسائل کیا ہوں گے ؟ اس میں ریاست کا کردار کیا ہوگا ، افراد کا کردار کیا ہوگا ؟ اگر آپ ان بنیادی سوالات کا جواب تلاش کرنا چاہیں گے تو جدید سرمایہ دارانہ نظام اس سلسلہ میں بالکل سادہ نظر آئے گا جبکہ ان مسائل کا تعلق انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت سے ہے یا غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ ان زمینی مسائل کا تعلق تیسری دنیا کے غریب ممالک کے غریب باشندوں سے ہے ، جہاں بظاہر آبادی زیادہ اور معاشی وسائل بظاہر کم ہیں ترقی یافتہ یا ترقی پذیر سرمایہ دار ممالک کے وہ ماہرین معاشیات جنھوں نے اپنی جدید معاشیات پر کتابیں اپنی کوٹھیوں یا یونیورسٹیوں کی ان عمدہ عمارات میں بیٹھ کر تحریر کی ہیں جنھیں تیسری دنیا کے ممالک کی دولت بذریعہ سود اکٹھی کر کے تعمیر کیا ہے ۔ یہ ماہرین معاشیات نہ خود غربت سے دوچار ہیں نہ غریب کے مسائل کو سمجھتے ہیں لہٰذا ان کی تحریر کردہ کتب زمین کے اُن مسائل کے بیان سے تہی دامن ہیں جن کا تعلق غریب ممالک کی معیشت سے ہے ۔

اسلامی معاشیات اور زمین

اسلامی معاشیات کے ماہرین نے " زمین بحیثیت عامل یا ذریعۂ پیدائش کے مسائل کو جامعیت اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے جن پر کتب حدیث اور فقہ کے مستقل ابواب ہیں مسلمان فقہاء اور ماہرین اسلامی معاشیات نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اُردو میں اس موضوع پر نمایاں کوششوں میں سے مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب " اسلام کا نظام اراضی "، مولانا محمد تقی امینی کی کتاب " اسلام کا زرعی نظام " اور مولانا مودودی صاحب کی کتاب " مسئلہ ملکیت زمین " قابل ذکر ہیں ۔

ہم چاہتے ہیں اس مقالہ میں اختصار کے ساتھ زمین کے اُن تمام اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے جن کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے یا جن کا ذکر کرنا ضروری ہے ۔ ہم اپنی بحث کو مندرجہ ذیل عنوانات پر مرتکز کریں گے ۔

ا۔ زارعت : اجازت، مختلف صورتیں۔
ب۔ مزارعت : جواز اور عدم جواز کی بحث، احکام۔
ج۔ زراعت کی ترقی کے وسائل۔
- ۔ بنجر زمینوں کی آبادکاری۔
- ۔ وسائل آب پاشی کی ترقی و توسیع۔
- ۔ لگان، مال گذاری میں تخفیف وغیرہ۔

ا۔ زارعت

ا:۱ جواز :۔ اسلامی معاشیات میں زراعت (زمین کی کاشتکاری) کا موضوع نہایت اہم ہے درحقیقت زراعت شکار کے بعد کسب معاش کا اولین ذریعہ ہے جس سے انسان اپنی روزی کماتا چلا آرہا ہے۔ زراعت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی حضرت انسان کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث پاک میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس خطہ ارضی پر آباد ہونے کے بعد جو ذریعہ معاش بنایا وہ زراعت یا کھیتی باڑی تھی۔ اس کے ثبوت میں مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کا یہ حصہ قابل توجہ ہے۔

..... کان ادم حراثا ..... [1]

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔

دراصل زراعت کا پیشہ انسانی فطرت کی سادگی کے قریب ترین ہے یہ پیشہ اللہ کریم اور اس کے بندہ (کسان) کے تعلق کی استواری کا ایک ذریعہ بھی بنتا ہے۔ کسان کا مٹی میں بیج محض اس امید پر پھینک کر بیٹھ جانا کہ اس کا کریم اپنا کرم کرے ... بیج کو لہلہاتی کھیتی اور پھر اناج میں تبدیل کرے گا۔ اللہ کریم پر بندہ (کسان) کے یقین اور ایمان کا ذریعہ بنتا ہے۔ اللہ کریم نے کسان کی اس امید کو نہایت خوبصورت انداز میں اپنا احسان بتایا اور کسان کے کاشت کرنے کو اپنا فعل فرمایا۔ ارشاد ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ

الزّٰرِعُوْنَ ۔ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ۔ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۔ (سورۃ الواقعۃ (۵۶): ۶۳-۶۷)

ترجمہ: بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو، اُسے تم کھیتی کرتے ہو یا ہم کھیتی کرنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اُسے روندا ہوا گھاس کر ڈالیں پھر تم سارا دن باتیں بناتے رہو کہ یقیناً ہم تو قرضدار ہی رہ گئے بلکہ ہم تو بے نصیب ہو گئے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ کریم نے زراعت کو اپنا انعام اور اپنی الوہیت کی ایک نشانی فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ۔ (سورۃ الانعام (۶) : ۱۴۲)

ترجمہ: اور وہی ذات (کریم) تو ہے جس نے باغات پیدا کئے ایسے جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور ایسے جو نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت پیدا کئے اور مختلف انواع کی کھیتی بھی پیدا فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشادِ گرامی میں کھیتی باڑی کے عمل اور نتیجہ کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ما من مسلم یغرس غرسًا او یزرع زرعًا فیأکل منہ طیرٌ أو إنسان أو بھیمۃ الّا کان لہ بہ صدقۃ[1]

ترجمہ: حضرت انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اُس میں سے جانور یا انسان یا چوپائے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ یہ عمل اس (مومن) کے حق میں صدقہ (یعنی اجر و ثواب کا ذریعہ) بنتا ہے۔

---

[1] صحیحین : کتاب المزارعۃ ۔

اس حدیث مبارکہ کے مفہوم میں یہ خوشخبری بھی پنہاں ہے کہ کاشتکار مسلمان خواہ بوقت کاشت اپنی کھیتی میں سے انسانوں، جانوروں اور پرندوں کے کھانے کی نیت کرے یا نہ کرے اگر اُس میں سے انسان، پرند اور چرند کچھ کھائیں گے خواہ وہ ان کے نہ کھانے اور اُن سے بچانے کے لیے حفاظت بھی کرے صدقہ کا ثواب پھر بھی ملتا رہے گا اور اگر وہ اپنا لگایا ہوا درخت فروخت کر دے یا اپنی کاشت کردہ کھیتی بیچ دے تب بھی اس کو ثواب ملتا رہے گا کیونکہ اپنے اس عمل سے اُس نے مخلوقِ خدا کے رزق میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے[1]

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت اور دنیا کے تمام انسانوں کو زمین کے پوشیدہ خزانوں سے بذریعہ زراعت مستفید ہونے کی ترغیب فرمائی ہے۔

أطلبوا الرزق فی خبايا الارض[2] (عن عائشة رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو۔

شمس الائمہ امام سرخسیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں " یعنی عمل الزراعة" زراعت کے عمل سے زمین سے رزق تلاش کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقام جُرف میں کاشتکاری کی ہے، اس عمل کو امام سرخسیؒ ہی نے نقل کیا ہے۔

و ازدرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجرف[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقام جُرف میں کاشت فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک عمل اُمت کو تعلیم دینے کے لیے تھا۔ اس لیے فقہاء اسلام نے زراعت کے پیشہ کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ فرض کفایہ[4] کا درجہ دیا ہے۔ اس بارے

---

[1] بدرالدین عینی : عینی شرح بخاری، ج ۵، ص ۱۱۷ -

[2] الہیثمی، حافظ نورالدین : مجمع الزوائد و منبع الفوائد، جلد ۴، مکتبۃ القدسی، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، باب الکسب والتجارۃ ومحبتها والحث علی طلب الرزق -

[3] المبسوط، ج ۲۲، ص ۲ -

[4] عبدالرحمٰن الجزیری : کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بیروت، ج ۲، قسم المعاملات، ص ۱۲

میں یہ نظیر قابلِ توجہ ہے۔

إما الزرع فی ذاته سواء اکان مشارکة أو لا فهو فرض کفایة لاحتیاج الإنسان والحیوان الیه[1]

ترجمہ: جہاں تک زراعت کا تعلق ہے خواہ یہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے اپنی ذات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں۔

فقہاء اسلام نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ زراعت دیگر ذرائع رزق مثلاً صنعت وحرفت، تجارت وغیرہ سے بہتر ہے یا کوئی اور؟ بعض فقہاء احناف زراعت کو دیگر تمام پیشوں پر فضیلت دیتے ہیں جب کہ بعض فقہاء کرام دیگر رائے بھی رکھتے ہیں مگر ہمیں اس مسئلہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ زراعت، تجارت، صنعت کسی ایک کا بھی بالکل ترک کر دینا اُمت کی معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہوگی، لہٰذا ان تمام پیشوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ جہاں زراعت کے لیے قدرتی حالات سازگار ہیں وہاں زراعت پر زیادہ توجہ دی جاسکتی ہے جہاں صنعت یا تجارت کے لیے ماحول سازگار ہیں وہاں صنعت یا تجارت میں تخصیص حاصل کی جاسکتی ہے اور یوں اپنے اپنے تخصیص کے ذریعے دیگر تخصیص والوں کی مدد کرسکتے ہیں یہ حال افراد اور اقوام دونوں کا ہوسکتا ہے یہ تعاون بذریعہ تخصیص ملکی اور بین الاقوامی سطح پر تبادلہ اشیاء اور تجارت کی اصل بنتا ہے۔

زراعت کے عدمِ جواز کا شبہ اور اس کا جواب

مذکورہ بالا بحث سے نہ صرف زراعت (کاشتکاری) کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ زراعت کا عمل ذریعہ ترقی وثواب اور زراعت کرنے والا (کاشتکار) اللہ کریم کے نزدیک پسندیدہ بندہ ہے۔ مگر بعض علماء اسلام نے زراعت کو بطور پیشہ بنانا موجب تنزل اور

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بیروت، ج ۲، قسم المعاملات، ص ۱۲۔

پستی تصوّر کیا ہے اور اُن کا استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ارشاد مبارک پر ہے جب آپ نے کسی مہم کی واپسی سے سرحد کے ایک مقام پر ہل اور کھیتی باڑی کے دوسرے آلات دیکھ کر فرمایا تھا۔

عن أبي امامة باهلي رضي الله عنه أنه رأى سكّة وشيئًا من آلة الحرث - فقال : سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول : لا يدخل هٰذا بيت قوم الا ادخله الله الذّل[1]

ترجمہ : حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ ہل اور کھیتی باڑی کے دیگر آلات دیکھ کر فرمایا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس گھر میں یہ آلات داخل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس گھر میں ذلّت اور مسکنت داخل کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے بلا شبہ یہ مترشح ہے کہ زراعت ایک ایسا وسیلۂ معاش ہے جس کو اختیار کرنے والا ذلت و پستی کا شکار ہوگا۔ بظاہر اس حدیث اور دیگر احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں اختلاف ہے مگر علمار اسلام —— ان پر اللہ کریم کی رحمت ہو۔ نے اس ظاہری تضاد اور مشکل کا جواب بھی اپنی عالمانہ بصیرت سے دیا ہے۔ مثلاً شمس الائمہ امام سرخسیؒ نے امام محمدؒ کے اتباع میں اس حدیث کا جواب یہ نقل کیا ہے۔

ظنوا أن المراد بالتزام الخراج - وليس كذلك - بل المراد أن المسلمين اذا اشتغلوا بالزراعة واتبعوا اذناب البقر وقعدوا عن الجهاد كرّ عليهم عدوهم فجعلوهم اذلة[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ۔

[2] سرخسی، شمس الدین : المبسوط، مطبع السعادہ۔ مصر، ۱۳۳۱ھ ج ۱۰ ص ۸۳

ترجمہ: اس حدیث کے ظاہری معانی سے لوگوں کو گمان ہوا اکثر زمینوں پر خراج لازم آتا ہے [اور خراج کی ادائیگی مسلمان کے لیے۔ جو عشر ادا کرتا ہے۔ موجب رسوائی ہے) لہٰذا زراعت ذلت و رسوائی کا ذریعہ بنتی ہے]

حالانکہ مفہوم ہرگز اس طرح نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ مسلمان زراعت میں یکسو ہو کر لگ جائیں کہ بیلوں کی دُمیں پکڑے پکڑے پھرتے رہیں اور (اپنے حقیقی مقصد زندگی) جہاد سے غافل ہو جائیں۔ یہاں تک کہ اُن کے دشمن اُن پر چڑھ دوڑیں اور اُنھیں ذلیل و خوار کر کے چھوڑیں۔

امام محمدؒ کی اس رائے کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل اُجاگر ہو گئی ہے کہ اگرچہ زراعت ایک بابرکت پیشہ ہے لیکن اگر مسلمان اس میں اس قدر منہمک ہو جائیں کہ اپنے مقاصد اللہ کریم کے دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کی ترویج کے لیے جہاد کرنا۔ کو ہی بھول جائیں تو پھر یہ زراعت کا پیشہ اُن کے لیے موجب ذلت و مسکنت ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس مفہوم کے قریب تر بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہ جان لینا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کی خلافت دے کر مبعوث فرمایا گیا تھا۔ لہٰذا آپؐ کا دین تمام (منسوخ و مسنخ شدہ) ادیان پر جہاد اور ذرائع جہاد کی مکمل تیاری کے بغیر ناممکن ہے۔ پھر اگر مسلمان جہاد کا مقدس فریضہ چھوڑ کر بیلوں اور گایوں کی دُموں کے پیچھے پیچھے پھرتے رہیں تو (اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ) ذلت و پستی انھیں گھیر لے گی اور تمام دیگر ادیان والے اُنھیں مغلوب و مقہور بنا لیں گے"[1]

یہی توجیہہ اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں امام بخاریؒ اور ابن حزم ظاہریؒ کی ہے[2]
البتہ محدث داؤدی اور اُن کے ہم خیال علماء اسلام نے اس ارشاد نبوی کا خاص سبب

---

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، مطبوعہ مصر ج ۲، ص ۱۷۲۔

[2] بحوالہ ابن حزمؒ: المحلیٰ، قاہرہ ۱۳۰۳ھ، ج ۸، ص ۲۱۱۔

بیان کر کے اس حدیث کو محدود کر دیا ہے۔ گو یہ ارشاد عام معلوم ہوتا ہے لیکن اپنے خاص پس منظر کی وجہ سے یہ محدود اور خاص ہے۔ محدث داؤدیؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد مسلمانوں کی ایک خاص جماعت کو فرمایا جو دشمنوں کی سرحدوں کے قریب آباد تھی اور زراعت میں مشغول تھی۔ مگر الفاظ حدیث نے اسکے حکم کو عام کر دیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خاص موقع پر خاص قوم کے لیے تھا۔ محدث داؤدیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید ایسی جماعت کے لیے ہے جو دشمنوں (کی سرحدوں) کے قریب رہتی ہو اس لیے اگر اس جماعت کے لوگ کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں تو پھر وہ فن سپاہ گری سے بے پرواہ ہو جائیں گے اور دشمن ان پر غالب ہو جائے گا۔ البتہ جو لوگ ایسے لوگوں کے علاوہ ہیں ان کے لیے، زراعت کا کام پسندیدہ ہے۔ عظیم و جلیل اللہ کریم کا حکم ہے "وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (اور تیاری کرو ان (دشمنوں) کے مقابلہ کے لیے جتنی تمہاری استطاعت ہو) اور جہاد کے لیے تیاری کا یہ حکم ظاہر ہے زراعت کے بغیر نامکمل رہتا ہے کیونکہ جو لوگ سرحدوں پر اور دشمن کے قریب آباد ہیں اور وہ (بوجہ تیاری جہاد) کاشتکاری میں مشغول نہیں رہتے۔ لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان کی ضروریات (خورد و نوش) کی تکمیل کے لیے زراعت کے ذریعہ سے مدد دیں"[1]

مگر ان مذکورہ بالا دونوں توجیہات کے مقابلہ میں ایک تیسری توجیہہ بھی ہے جو چوتھی صدی ہجری کے ایک نابغہ روزگار محدث حضرت ابن متینؒ نے اس ارشاد نبوی کی تبائی ہے ابن متینؒ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آلات زراعت کو دیکھ کر ان کے رکھنے اور استعمال میں لانے والوں کے بارے میں ذلت و مسکنت کی خبر دینا زراعت کے جواز و

---

[1] العینی، بدرالدین: عمدۃ القاری، مطبع منیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ، ص ۱۲/۷۔

عدم جواز کے لیے کوئی اسلامی نقطہ نظر نہیں بیان کرتا بلکہ یہ تو زراعت پیشہ طبقہ کی حالت زار ہے جو مستقبل میں سرکش زمینداروں کے ظالمانہ برتاؤ سے ہونا تھی اور جس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی سے فیض یافتہ پیغمبرانہ بصیرت کے ذریعہ دے رہے تھے اس مظلوم ومقہور طبقہ کی قابل رحم حالت جو زمینداروں کے جابرانہ اور قاہرانہ تسلط سے ہوتی آرہی ہے اور آج تک یہ ظلم کی چکی ان پر چل رہی ہے۔

ابن متین رح کے الفاظ قابل توجہ ہیں:

هٰذا من أخباره صلى الله عليه وسلم بالمغيبات لأن المشاهدة الآن ان أكثر الظلم انما هو على اهل الحرث [1]

ترجمہ: یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبریں دینے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے کہ ہم آج مشاہدہ کر رہے ہیں کہ سب سے زیادہ مظلوم وہی طبقہ ہے جو کھیتی باڑی کرنے والا ہے۔

کیا یہ ارشاد کاشتکاروں کے مظلوم طبقہ کی مظلومیت کی سچی خبر نہیں دیتا؟ کیا انسانوں کی اس بستی میں بطور پیشہ کاشتکاروں سے زیادہ کسی پر ظلم ہوا ہے یا ہو رہا ہے؟ یہ طبقہ جو عموماً ان پڑھ، غیر منظم اور بے بس ہوتا ہے اور اپنے خلاف ظلم کی صحیح تصویر کشی سے بھی قاصر ہوتا ہے اور اگر وہ داد فریاد کرنا بھی چاہے تو اس کی آخری پناہ بھی ظالم وڈیرہ اور زمینداری ہوتا ہے، اسے سرکاری عدالت تک پہنچنے یا سرکاری اہلکاروں کو اپنی فریاد سنانے کے لیے بھی زمیندار کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ زمیندار کا بنایا ہوا یا بولا ہوا طریقہ بٹائی یا کاشتکاری یا آبپاشی اس کے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے بعض صورتوں میں تو یہ بے کس اتنا بے بس ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان اسے صرف جابر زمیندار کے تسلط کے سوا باقی کچھ نظر نہیں آتا۔

یہ اناج پیدا کر کے ڈھیر لگائے مگر روٹی اسے فراخی کے ساتھ نہ ملے، یہ روئی پیدا کر کے بازار بھر دے، کارخانوں کو چلا دے مگر اس کے جسم پر اچھا لباس کبھی نہ دیکھا جائے۔ اس کی محنت کی برکات سے زمیندار اور سرمایہ دار امیر تر ہوتے جائیں مگر یہ غریب ہی رہے۔ آخر

اس کا کیا قصور ہے ؟ کیا صرف یہ کہ یہ غریب ان پڑھ اور غیر منظم کسانوں کے پیشہ زراعت سے یا محنت کش طبقہ سے منسلک ہے ؟

ابن متین⁽²⁾ کا یہ مشاہدہ تو چھٹی صدی ہجری کا ہے جب غالباً نہ کارخانے تھے نہ روٹی او اناج غریب کسان کو کارخانہ داران کا سودی قرضہ چکانے کے لیے اُن کے سپرد کرنا پڑتا تھا۔ نہ امریکہ، برطانیہ، جرمنی اور دیگر ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ زرعی ممالک کی خام پیداوار اونے پونے داموں خرید کر اس کی تیار شدہ مصنوعات ان غریب زرعی ممالک کو اتنے مہنگے داموں فروخت کرتے کہ اپنے خام مال کی خریداری کے لیے ان ممالک کو دی ہوئی رقم بھی واپس لے لیتے اور ساتھ اس قدر نفع حاصل کرتے کہ ان غریب ممالک کو مقروض اور معاشی غلام بنا کر چھوڑتے مگر آج یہ ظلم کے تمام طریقے اس مہذب انداز میں مروج اور مقبول ہیں کہ غریب کسان اور غریب ممالک سرمایہ داروں کا ظلم بھی برداشت کرتے ہیں اور اُلٹے ان کے ممنون احسان بھی ہیں ؏ جو چاہے آپ کا ظلم کرشمہ ساز کرے

کس قدر افسوسناک صورتِ حال ہے کہ زراعت پیشہ افراد کا اگر قومی اور ملکی سطح پر کارخانہ داران اور سرمایہ داران استحصال کرتے ہیں تو بین الاقوامی سطح پر سرمایہ دار صنعتی اور ترقی یافتہ ممالک زرعی ممالک کا استحصال کرتے ہیں۔ گویا زراعت پیشہ طبقہ قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر معاشی ظلم اور جبر کا شکار ہے۔

اس ضروری بحث کے ساتھ ساتھ دو سوال اور بھی ذہن میں اُبھرتے ہیں جو اپنے جواب کا مطالبہ سمجھ دار انسان سے کرتے ہیں۔ وہ سوالات یہ ہیں :

۱ :- کیا کاشتکاروں کے مظلوم طبقہ کی یہ صورت جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس زمانہ میں دی جب موجودہ دور کے استحصالی حربے بھی موجود نہیں تھے، اس حقیقت کا اعتراف تو نہیں کراتا کہ آپ سچے نبی علیہ السلام ہیں ؟

۲ :- جس سچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے بساطِ دنیا کے ان باریک ترین اور دقیق ترین حالات کو بھانپ لیا ہو اگر اس کا مجوزہ " اسلام کا اقتصادی نظام " اس دنیا کے لوگ قبول کر لیں تو کیا معاشی ظلم و تعدّی کی تمام شکلیں ختم نہ ہو جائیں۔ (۲۱)

مزارعت اور زمیندارانہ نظام کی شرعی حیثیت

مذکورہ بالا بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ زراعت کی اسلام کے معاشی نظام میں نہ صرف اجازت ہے بلکہ یہ کار ثواب بھی ہے اور فقہاء اسلام نے اسے فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے کہ اگر تمام افراد اُمت یا ایک معاشرہ کے تمام افراد زراعت کے پیشہ کو ترک کردیں تو تمام افراد عنداللہ مجرم ہوں گے۔ اب زراعت کی دو ہی صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں۔

۱: کوئی شخص اپنی ذاتی زمین رکھتا ہو، اسے کاشت و برداشت کرتا ہو اور اس کا نفع خود اٹھاتا ہو اور دیگر انسانوں کو بھی اُس سے نفع اُٹھانے کا موقع مختلف صُورتوں میں دیتا ہو مثلاً وہ اس کی پیداوار میں حیوان، جانور، پرند اور انسان بطور صدقہ خیرات کھا جائیں۔ یا دیگر انسان اس کی پیداوار خرید کر استعمال کریں اور نفع اُٹھائیں۔

۲: کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زمین بٹائی یا اجارہ پر لے کر کاشت کرے اور مالک زمین کو معاہدہ کے مطابق حصہ یا معاوضہ دے۔ اب جس شخص کی وہ زمین کاشت کرتا ہے اُس کی دو شکلیں ہونگی یا تو وہ معمولی درجہ کا مالک زمین ہوگا مثلاً ۱۰، ۲۰ ایکڑ رکھتا ہو، مگر وہ اپنی زمین خود کاشت نہ کرسکتا ہوگا اُسے دوسرے شخص سے کاشت کرانا ہوگا۔

دوسری شکل یہ ہے کہ وہ شخص اصطلاحی قسم کا زمیندار ہو جس کی زمین نہ وہ خود سنبھال سکتا ہوگا نہ اُسے اس کے بیٹے (نہ ہی وہ اس کی ضرورت سمجھتے ہوں گے) بلکہ وہ اپنی زمین کی کاشت برداشت اور دیکھ بھال کا کام اپنے ہی جیسے محتاج انسانوں کو مزارعین بنا کر کراتے ہیں۔ یہاں مالک زمین اپنی زمینداری کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہے اور نظام مزارعت کا پابند مزارع اس کی معاونت کرتا نظر آتا ہے۔

اب ہم ایک نہایت اہم سوال کی طرف آتے ہیں۔ گو فقہاء اسلام نہایت شرح و بسط سے اس سوال کا جواب دے چکے ہیں اور ہم انہی کے خیالات کو یہاں نقل کر رہے ہیں مگر ہمارا اس علمی و دینی خدمت میں صرف اتنا حصہ ہوگا کہ ہم اُس کو آسان اور قابل فہم طریقہ پہ ترتیب دینے کی کوشش کریں۔ وہ سوال ہے کیا اسلام میں مزارعت کی اجازت ہے یا کیا اسلام

موجودہ نظام زمینداری کی اجازت دیتا ہے ؟ ۔ اس سوال کا جواب سر کو ایک جنبش نیچے اُوپر دے کر اثبات میں یا ایک جنبش دائیں بائیں دے کر نفی میں دینا مشکل ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور بعض فقہاء امت کی آراء زمینداری اور مزارعت کے یکسر مخالف ہیں، بعض حق میں ہیں اور بعض ان دونوں کے درمیان مشروط اجازت یا تطبیق کرتی ہیں ۔ ہم آسانی کی خاطر اس سوال کا جواب تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔

۱ :۔ مزارعت اور زمینداری کے عدم جواز کی احادیث ۔

۲ :۔ مزارعت اور زمینداری کے جواز کی احادیث ۔

۳ :۔ تطبیق اور اس سے متعلقہ روایات ۔

۱۔ عدم جواز کی احادیث

ایسی احادیث مبارکہ ۔۔۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت اور نتیجۃً زمینداری یا زمینداری کے نتیجہ میں مزارعت اسلام کے عادلانہ معاشی نظام میں ناجائز ہے ۔۔۔ میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں :

۱ : عن رافع بن خديج رضى الله عنه قال : نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أمر كان لنا نافعاً، اذا كانت لأحدنا أرض ان يعطيها ببعض خراجها او بدراهم وقال: اذا كانت لأحدكم أرض فليمنحها اخاه أو ليزرعها[1]

ترجمہ : حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے معاملہ سے منع فرما دیا جو (بظاہر) ہمارے لیے نفع بخش تھا ۔ وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کے پاس اگر زمین ہو تو وہ اسے نہ بٹائی پر دے نہ دراہم (نقد لگان) پر دے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

[1] صحیح بخاری ، باب الحرث والمزارعۃ ۔ جامع الترمذی ، باب الزکاۃ ۔

فرمایا: جس کسی کے پاس زمین ہو وہ یا تو اپنے (مسلمان) بھائی کو مفت (بطور احسان برائے کاشت دے دے) یا (اگر خود زراعت کر سکتا ہے تو) خود اُسے کاشت کرے۔

۲: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له أرض فليزرعها أو ليمنحها. فان ابى فليمسك أرضه[۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اُسے خود کاشت کرے یا کسی (مسلمان) کو بطور احسان مفت دے دے۔ اور اگر وہ ان دونوں باتوں سے انکار کرے تو پھر اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے۔

۳: عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يؤخذ للارض أجر أو حظ[۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کا اجارہ لینے یا حصّہ (بٹائی) لینے سے منع فرمایا۔

۴: كان إبن عمر رضي الله عنهما يكرى مزارعه على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان (رضي الله عنهم اجمعين) وصدرًا من امارة معاوية (رضي الله عنه) - فلما سمع حديث رافع بن خديج (رضي الله عنه) ترك ذلك خشية أن يكون النبي صلى الله عليه وسلم قد أحدث فيه شيئًا[۳]

---

[۱] صحیح بخاری، باب الحرث والمزارعہ

[۲] صحیح مسلم، ج ۲، کتاب المزارعہ۔

[۳] صحیح بخاری، کتاب المزارعہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین کو عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد ابو بکر رضی اللہ عنہ، عہد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عہد عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد معاویہ رضی اللہ عنہ کے آغاز تک کرایہ (لگان) پر دیا کرتے تھے۔ مگر جب انہوں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سنی تو اجارہ پر زمین دینے سے اس خوف سے رک گئے کہ شاید مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ آخر عمر مبارک میں صادر فرمایا ہو۔

۵:۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال: کانوا یزرعونها بالثلث والربع والنصف۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من کانت لہ أرض فلیزرعها أو لیمنحها اخاہ۔ فان لم یفعل فلیمسک أرضہ [۱]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ہمارے زمانے میں) لوگ ۱/۳، ۱/۴ اور ۱/۲ پر کاشت کرتے تھے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی کے پاس زمین ہو اُسے چاہیے کہ خود کاشت کرے یا اپنے (مسلمان) بھائی کو (بطور) عطیہ دے دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو روکے رکھے۔

۶:۔ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن المخابرة [۲]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرۃ سے منع فرمایا۔

ان روایات صحیحہ سے بظاہر یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ۔

[۲] صحیح مسلم، ج ۲، کتاب المزارعۃ۔

مزارعت کو ناجائز قرار دیا، لہٰذا زمینداری بھی ناجائز ہوگئی کیونکہ یہ ارشادات واضح بتاتے ہیں کہ جس کسی کے پاس زمین ہے وہ خود کاشت کرے یا احسان کے طور پر اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے دے دے ورنہ اپنی زمین کو بے کار روکے رکھے یعنی نقد لگان پر پر نہ دے۔ لہٰذا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ جن میں نمایاں ترین شخصیت سیّدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ زمینداری نظام کے مخالف تھے۔ ان کے نزدیک نہ زمین نقد لگان پر دینا جائز ہے نہ بٹائی پر جائز ہے یعنی زمینداری کسی صورت میں روا نہیں۔ یہی رائے حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:

۱:۔ قال ابوحنیفة رحمه الله: المزارعة بالثلث والربع باطلة ..... وله ما روی أنه علیه الصلوٰة والسلام: نهی عن المخابرة وهی المزارعة [1]

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ۔ اللہ کریم کی اُن پر رحمت ہو۔ نے فرمایا: مزارعت کا معاملہ تہائی (⅓) اور چوتھائی (¼) پر طے کرنا باطل ہے۔ اور آپؒ کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مخابرہ" کے معاملہ کو منع فرمایا اور "مخابرۃ" "مزارعۃ" ہی کا دوسرا نام ہے۔

۲:۔ کان ابوحنیفة رضی الله عنه لا یجیز المزارعة فی الارض ولا المعاملة فی النخل بالثلث ولا بالربع ولا بأقل من ذٰلك ولا باکثر۔ وکان یقول: هذه اجارة استوجرت ببعض ما یخرج من الأرض والنخل، لا یدری أیخرج شیئًا أم لا یخرج [2]

---

[1] المرغینانی، برہان الدین: الہدایۃ، کتاب المزارعۃ۔

[2] امام محمدؒ: کتاب الحجۃ، جلد ۴، کتاب المساقاۃ۔

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ۔ اللہ کریم اُن سے راضی ہو جائے۔ زمین اور کھجور (باغات) دونوں میں مزارعت کا معاملہ تہائی (۱/۳)، چوتھائی (۱/۴) یا اس سے کم یا اس سے زیادہ پر جائز نہیں سمجھتے تھے اور آپؒ فرمایا کرتے تھے: یہ اس قسم کا اجارہ ہے جس میں زمین اور باغ کی پیداوار کو اجرت ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ کچھ پیدا ہو گا بھی یا نہیں [اجارہ میں اجرت (مزدوری یا معاوضہ) معلوم ہونا شرط ہے]

۲:۔ وكان ابوحنيفة رحمه الله ممن يكره ذلك كله فى الأرض البيضاء وفى النخل بالثلث والربع وأقل وأكثر .... واحتج ابوحنيفة ومن كره ذلك بحديث رافع بن خديج رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه مر على حائط۔ فسأل: لمن هذا؟ قال رافعؓ: لى، استاجرته فقال: لا تستاجره بشئ منه۔ وكان ابوحنيفة رحمه الله ومن يكره المساقاة يحتج بهذا الحديث ويقول: هذه اجارة فاسدة مجهولة[1]

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے فقہاء کرام جو مزارعت اور مساقات کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ اسے سادہ زمین اور کھجور (باغات) دونوں کو تہائی (۱/۳)، چوتھائی (۱/۴) اور کم و بیش پر دینا سب ناجائز ٹھہراتے ہیں.... اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ان کے ہم خیال فقہاء ــ جو مزارعت کے معاملہ کو مکروہ کہتے ہیں ــ اپنے نظریہ کی بنیاد حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پر رکھتے ہیں۔ جن میں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک (باغ یا کھیت کی) چار دیواری کے پاس سے گذرے، اور

---

[1] ابویوسفؒ: کتاب الخراج (تحقیق و تعلیق و محمد ابراہیم البنا) مطبوعہ دار الاصلاح، قاہرہ، ۱۹۸۱ء ص ۱۹۴۔

دریافت فرمایا: یہ کس کی چار دیواری ہے؟ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یہ میری ہے۔ میں اس کا اجارہ کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں سے کسی چیز کا بھی اجارہ نہ کیا کرو.......

امام ابوحنیفہؒ اور جو فقہاء کرام مساقات کو ناجائز فرماتے ہیں ان کا استدلال اسی حدیث پر ہے۔ امامؒ نے فرمایا: ایسا اجارہ فاسد اور مجہول ہے"۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ جن دیگر فقہاء عظام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان سے مراد حضرت حماد، حضرت مجاہد، حضرت سالم، حضرت ابراہیم نخعی، عمرو بن دینار اللہ کریم ان سب پر اپنا کرم و احسان فرمائے، کبار فقہاء ہیں۔

مزارعت اور زمینداری کے جواز کی روایات

اب ہم اُن روایات میں سے چند نقل کرنے کی سعادت پا رہے ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مزارعت اور زمیندارہ سسٹم دونوں جائز ہیں۔ زمین کا بٹائی اور نقد لگان دونوں پر دینا درست ہے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد سعید میں اور تابعین اور تبع تابعینؒ کے دور میں بھی مالکان زمین اپنی زمین بٹائی اور نقد لگان دونوں پر دیا کرتے تھے اور اُسے جائز تصوّر فرماتے تھے۔

ا:۔ عن حنظلة بن قيس رضى الله عنه قال: سألت رافع بن خديج رضى الله عنه عن كراء الأرض فقال. نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عنه۔ فقلت: ابالذهب والورق؟ قال: فلا بأس له [1]

ترجمہ: حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو اجارہ پر لینے (یا دینے) کے بارے میں دریافت

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی۔ کتاب المزارعۃ۔

کیا۔ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا سونا اور چاندی (یعنی نقد لگان) پر بھی منع ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: "اس میں کوئی حرج نہیں۔"

۲: عن إبن عمر رضی اللہ عنهما أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أعطی خیبر الیهود علی أن یعملوها ویزرعوها. ولهم شطر ما خرج منها[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو اسکا نصف (۱/۲) ان کے لیے ہوگا۔

۳: عن سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنه ان المزارع فی زمن النبی صلی اللہ علیه وسلم کانوا یکرون مزارعهم[2]

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالکان زمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی زمینیں کرایہ (اجارہ) پر دیا کرتے تھے۔

۴: عن ابی جعفر: ما بالمدینة أهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث والربع، وزارع علی وسعد بن مالك وعبد اللہ بن مسعود وعمر بن عبد العزیز والقاسم وعروة وآل ابی بکر وآل عمر وآل علی وابن سیرین۔ وقال عبد الرحمٰن ابن الأسود: کنت أشارك عبد الرحمٰن بن زید فی الزرع۔ وقال الحسن: لا بأس أن تکون الارض لاحد هما فینفقان جمیعا فما خرج فهو بینهما[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، باب الحرث والمزارعۃ

[2] ابوداؤد۔ نسائی۔ کتاب المزارعۃ

[3] صحیح بخاری، باب الحرث والمزارعۃ

ترجمہ: حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین (رضی اللہ عنہم) کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی (⅓) یا چوتھائی (¼) پر زمین کاشت نہ کرتا ہو۔ حضرت علیؓ، سعد بن مالکؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ، قاسمؒ، عروہؒ، آل ابوبکر، آل عمر، آل علی اور ابن سیرین رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب اپنی زمینیں اسی طرح کاشت پر دیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن اسودؓ کہتے ہیں: میں عبدالرحمٰن بن زیدؓ کا زراعت میں شریک کار تھا: حسنؓ فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں اگر ایک شخص کی زمین ہو اور ایک شخص اس کے ساتھ مل کر اس پر خرچ کریں اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں مشترک ہو۔

۵: قال امام ابویوسفؒ: وأحسن ما سمعنا فی ذٰلک - واللہ اعلم- أن ذلك كله جائز مستقيم صحيح - وهو عندى بمنزلة (مال) المضاربة - قد يدفع الرجل الى الرجل مال المضاربة بالنصف والثلث فيجوز، فهذا مجهول لا يعلم ما يبلغ ربحه - وليس فيه اختلاف بين العلماء - فيما علمت - وكذلك الأرض عندى هى بمنزلة المضاربة - الأرض البيضاء منها والنخل والشجر سواء ....

وأما اصحابنا من اهل الحجاز فاجازوا ذٰلك على ما ذكرته لك. ويحتجون فى ذلك بما عامل عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل خيبر فى الثمر والزرع، ولا أعلم احداً من الفقهاء اختلف فى ذلك - خلا هؤلاء الرهط من اهل الكوفة الذين وصفت لك[1]

ترجمہ: امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں جو بات ہم نے سب سے

---

[1] ابویوسف: کتاب الخراج (تحقیق وتعلیق: محمد ابراہیم البنا) دارالاصلاح، قاہرہ ۱۹۸۱ء ص ۱۹۴

بہتر سنی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کو (نصف (۱/۲) یا تہائی (۱/۳) یا چوتھائی (۱/۴) حصہ) بٹائی پر دینا جائز ہے ۔ یہی منقح اور صحیح ہے ۔ میرے نزدیک زمین کا معاملہ مال مضاربۃ کی طرح کا معاملہ ہے، جہاں ایک شخص اپنا مال دوسرے شخص کو نصف (۱/۲) اور تہائی (۱/۳) نفع پر مضاربت کے طریقہ پر دیتا ہے اور یہ جائز ہے حالانکہ یہ بات نامعلوم ہوتی ہے کہ اس (کاروبار مضاربت) میں نفع کس قدر ہوگا (یا ہوگا بھی یا نہیں)۔ اس کے باوجود، جہاں تک میں جانتا ہوں، اہل علماء اسلام میں سے کسی کو اختلاف نہیں۔ بالکل اسی طرح زمین بھی میرے نزدیک مال مضاربت کی مانند ہے اور اس سلسلہ میں سادہ زمین اور کھجور و پھلوں کے درخت برابر ہیں .... اور جہاں تک ہمارے فقہاء حجاز (مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کرام) کا تعلق ہے انہوں نے اس معاملہ (مزارعۃ، مساقاۃ اور مضاربۃ) کی اجازت دی ہے، جیسا کہ میں نے آپ سے پہلے بیان کیا ہے اور انہوں نے اپنی اس اجازت دینے والی رائے کی بنیاد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ پر رکھی ہے جو انہوں نے یہود خیبر کے ساتھ پھلوں اور کھیتی باڑی کے بارے میں کیا تھا اور میں نہیں جانتا کہ فقہاء کرام میں سے کسی ایک نے بھی اس معاملہ میں اختلاف کیا ہو، سوائے اہل کوفہ کے ان فقہاء کرام کی ایک جماعت کے جس کا میں نے آپ سے ذکر کر دیا ہے۔

۶: قال امام محمدؒ هذا كله جائز المعاملة فى النخل والمزارعة فى الأرض بالثلث والربع وغيره ذلك. وهذا بمنزلة مال المضاربة [۱]

ترجمہ: امام محمدؒ فرماتے ہیں کھجور (باغات میں مساقات) ... ۱/۳، ۱/۴ وغیرہ پر مزارعت تمام جائز ہے اور یہ (... زمین اور باغ) بمنزلہ مال

---

[۱] امام محمدؒ: کتاب الحجۃ، ج ۴ کتاب المساقات۔

مضاربت کے ہے۔

ان احادیث اور فقہی روایات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مزارعت، یعنی زمین کا بٹائی اور اجارہ پہ دینا جائز ہے اور ان سے زمینداری کا جواز بھی نکلتا ہے، لہٰذا جب تک احادیث عدم جواز اور احادیث جواز کا تضاد رفع نہ ہو کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

متضاد احادیث کی تطبیق

مذکورہ بالا احادیث میں سے چند مستند احادیث نظام زمینداری اور مزارعت کو ناجائز ٹھہراتی ہیں، جبکہ انہی کے درجہ کی مستند احادیث مزارعت اور زمینداری کا جواز فراہم کرتی ہیں۔ آئیے اس تضاد اور اختلاف کو رفع کرنے والی احادیث اور آثار نقل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مرویات بطور خاص نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مرویات

(۱)۔ عن رافع بن خديج رضى الله عنه قال: حدثني عماى انهم كانوا يكرون الأرض على عهد النبى صلى الله عليه وسلم بما ينبت على الاربعا او شئ ليستثنيه صاحب الارض فنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلك[1]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے میرے چچا (حضرت زہیر بن رافع رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین کو کرایہ پہ دیا کرتے تھے اور یہ شرط لگایا کرتے تھے کہ نہر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ

کے قریب کے حصّہ زمین کی پیداوار ہماری ہوگی یا اس معین حصّہ زمین کی پیداوار ہماری رہے گی ۔ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا ۔

ب :۔ (قال رافع) کنا اکثر الانصار حقلا ۔ فکنا نکری الأرض علی ان لنا هذه ولهم هذه ۔ فربما اخرجت هذه ولم تخرج هذه ۔ فنهانا عن ذلك ۔ فاما الورق فلم ینهنا[1]

ترجمہ : حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ہم انصار (رضی اللہ عنہم) میں سب سے زیادہ کھیتوں کے مالک تھے ۔ ہم زمین اس شرط پر کرایہ پر دیا کرتے تھے کہ ہمارے لیے اس حصّہ کی پیداوار ہوگی اور اُن (مزارعین) کے لیے اُس حصّہ کی پیداوار ہوگی ۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ اِس (ہمارے والے) حصّہ کی پیداوار تو ہو جاتی مگر اس (مزارع کے) حصّہ کی پیداوار نہ ہوتی ۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس (ظالمانہ معاہدہ) سے منع فرما دیا ۔ رہی بات چاندی (یعنی نقد لگان) کی تو اس سے ہمیں منع نہیں فرمایا ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی تمام روایات کو ہم نے نقل نہیں کیا کیونکہ ان تمام میں یہی مضمون مختلف الفاظ میں نقل کیا گیا ہے مذکورہ بالا دونوں روایتوں پر آپ نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ مالکان زمین غریب اور محتاج مزارع سے ایسا معاہدہ کرتے کہ اپنا نفع یقینی بنا لیتے اور اُس محتاج کو قسمت کے سپرد کر دیتے یعنی زمین کے اچھے حصّہ یا نہر کے ساتھ والی زمین یا محفوظ ٹکڑا زمین کی پیداوار اپنے لیے مخصوص کر لیتے اور خراب یا نہر سے دور یا غیر یقینی پیداوار والی زمین کی پیداوار مزارع کے لیے چھوڑ دیتے ۔ اگر وہ مالکان زمین ایسا ظالمانہ معاہدہ نہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزارعت منع نہ فرماتے ۔ البتہ نقد لگان پر دینے میں آپ

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب الحرث والمزارعۃ

صلی اللہ علیہ وسلم مزارعت منع نہ فرماتے ۔ البتہ نقد لگان پر دینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی قباحت محسوس نہ فرمائی (واللہ اعلم)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات

ا :۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ عنہ ولکن قال : أن یمنح احدکم أخاہ خیر لہ من ان یاخذ شیئاً معلوماً[1]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو اجارہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زیادہ پسند فرمایا کہ تم میں سے کوئی اگر اپنے (کاشتکار) بھائی کو زمین مفت بطور احسان دے دے اس کی بجائے کہ اُس سے مقررہ معاوضہ (کرایہ یا بٹائی) لے کر دے ۔

ب :۔ (قال ابن عباس رضی اللہ عنہما) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم المزارعۃ ولکن امر أن یرفق بعضہم ببعض[2]

ترجمہ : (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام نہیں قرار دیا بلکہ یہ ترغیب فرمائی کہ (مالکانِ زمین اور مزارعین) باہم حسن سلوک اور نرمی کا معاملہ کریں، لین دین کا معاملہ اس بارہ میں نہ کریں ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایات میں غور کریں تو حقیقت

---

[1] صحیح بخاری : کتاب الحرث والمزارعۃ

[2] صحیح مسلم ۔ سنن نسائی اور جامع ترمذی میں دیکھیے کتاب المزارعۃ ۔

نکھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمیندارہ اور مزارعت کو حرام نہیں ٹھہرایا بلکہ مالکانِ زمین کے اس رویّہ کو استحسان کی نگاہ سے دیکھا ہے کہ اگر وہ خود اپنی زمین کاشت نہ کرسکیں اور خواہ مخواہ ایک معاشی فلاح کے ذریعے کو یونہی بے کار چھوڑے رکھیں اور ملک وقوم کی معاشی ترقی کی راہ میں روکاوٹ ڈالیں، تو بہتر ہے اپنی فاضل زمین اپنے محتاج کسان بھائی کو بطور احسان مفت دے دیں اور اگر کوئی بخیل زمیندار ایسا نہ کرے تو پھر سزا کے طور پر اسے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے اور ہر عقلمند جانتا ہے ایسا وہی کرسکتا ہے جو معاشی سوجھ بوجھ اور عقل دونوں سے عاری ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایات

او علی مصلحة خاصة بذلك الوقت من جهة كثرة مناقشتهم فی هٰذا المعاملة حينئذ۔ وهو قول زيد رضی اللہ عنه [1]

ترجمہ: یا یہ ممانعت خاص مصلحت کی بنا پر وقتی ممانعت تھی اور وہ اس لیے تھی کہ اس معاملہ میں اس زمانہ میں کثرت سے مناقشات پیش آتے رہتے تھے۔ یہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزارعت کے بارے میں ممانعت کی وجہ یہ بتائی کہ زمیندار اور مزارع میں بٹائی یا کرایہ کے بارے میں بہت جھگڑے ہوتے تھے جو دینی محبت اور معاشرتی اخوت دونوں کیلیے زہر تھی لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ معاوضہ کی اجازت کو باقی رکھا اور بٹائی کے معاملہ کو منع فرما دیا۔ (واللہ اعلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات

قال ابن عمر رضی اللہ عنهما: قد علمت ان اهل الأرض

---

[1] بحوالہ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۲، باب التبرع والتعاون

قد كانوا يعطون أرضهم على عهد النبي صلى الله عليه وسلم ويشترط صاحب الأرض : إن لي الما ذيانات وما يسقي الربيع ۔ ويشترط من الجرين نصيبًا معلوما ۔ قال (رافع رضی الله عنه) : وكان إبن عمر رضي الله عنهما يظن ان النهي لما كانوا يشترطون [1]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے۔ جنہوں نے انہیں ممانعت مزارعت کی حدیث سنائی تھی) فرمایا : آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں زمین کے مالکان اپنی زمینیں (بٹائی پر) دیا کرتے تھے ۔ اور مالک زمین یہ شرط طے کر لیتا تھا : میرے لیے اس زمین کی پیداوار ہو گی جو نالیوں سے سیراب ہو گی یا موسم بہار میں (بارش یا شبنم سے) سیراب ہو اور کھلیان میں سے بھی ایک حصہ اپنے لیے خاص کر لیتا تھا حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ خیال کرتے تھے کہ کہ مزارعت اور زمینداری کی ممانعت زمینداروں کی ان (ظالمانہ) شرائط کی وجہ سے تھی ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد اس قدر واضح ہے کہ کسی قسم کی تشریح کا محتاج نہیں وہ فرماتے ہیں کہ مزارعت کی ممانعت زمینداروں کی فاسد شرائط مجبور اور محتاج مزارعین کا معاشی استحصال کرتی تھی ۔ (واللہ اعلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات

عن ابي الزبير عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما يقول : كنا في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ الأرض بالثلث

---

[1] جمع الفوائد، ج ۱، ص ۴۴۶ ۔

او الربع بالماذ يانات - فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ذلك - فقال : من كانت له أرض فليزرعها - فان لم يزرعها ، فليمنحها أخاه - فان لم يمنحها أخاه فليمسكها[1]

ترجمہ : حضرت ابوالزبیرؓ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا : ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین کی نالیوں سے ملحقہ یا اُن سے سیراب ہونے والی زمین کے حصّہ کی پیداوار کے تہائی (⅓) یا چوتھائی (¼) پر لیا کرتے تھے۔ (جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ کو ہمارے اس استحصال کا علم ہوا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا : جس کے پاس زمین ہے وُہ اُسے خود کاشت کرے اگر خود کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے (کسان) بھائی کو بطور عطیہ دے دے۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکتا تو پھر (بطور سزا) اپنی زمین کو روک رکھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھی مزارعت کے ناجائز ہونے کی وجہ وہی بتائی ہے جو حضرت رافع رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرما چکے ہیں یعنی مالک زمین کی فاسد اور استحصالی شرائط (واللہ اعلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی روایات

عن سعيد بن المسيّب رضى الله عنه عن سعد بن ابى وقاص رضى الله عنه قال : كان أصحاب المزارع يكرون فى زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم مزارعهم بما يكون على الساقى من المزارع - فجاؤا رسول الله صلى الله عليه وسلم

---

[1] صحیح مسلم : ج ۲ ، کتاب المزارعۃ۔

فاختصموا فی بعض ذٰلك - فنهاهم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان یکروا بذٰلك - وقال : اکروا بالذهب والفضة[1]

ترجمہ : حضرت سعید بن میبّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کھیتوں کے مالکان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کھیتوں کو نالیوں کے کنارے اُگنے والی فصل کے عوض کرائے پر دیا کرتے تھے - مزارعین نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس قسم کے کسی معاملہ میں جھگڑا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالکان کھیت کو اس طرح مزارعت پر دینے سے منع فرما دیا اور اُنہیں اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ سونا چاندی (نقد لگان) پر اپنے کھیت دیا کریں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ مالکان زمین ضرورت مند مزارعین کو اپنی زمین من مانی فاسد شرائط پر دیا کرتے تھے - جن کے ذریعے وہ اپنا نفع یا حصّہ تو زیادہ سے زیادہ اور یقینی بنا لیتے مگر غریب اور محتاج مزارع - جس کی محتاجی اُس کو ان استحصالی شرائط پر آمادہ کرتی تھی - کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ، محتاجوں اور غموں کے درماندگان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس معاشی استحصال (ECONOMIC EXPLOITATION) کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی کے ساتھ روک دیا۔

مباحث کا نتیجہ اور چند اہم سوالات کے جوابات

مذکورہ بالا مباحث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :

(۱) . نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے دور تک مالکان زمین اپنی زمین بٹائی اور نقد لگان دونوں پر دیا کرتے تھے اور اسے جائز سمجھتے تھے ۔

---

[1] جمع الفوائد ، ج ۱ ، ص ۶۴۴ ۔

(۲) مصطفیٰ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پہ دینے سے اس لیے منع فرمایا کہ مالکان زمین محتاج مزارعین کی محتاجی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر انہیں اپنی من مانی شرائط پر زمین دیتے، جن کا فائدہ یقینی اور مزارع کا استحصال یقینی تھا۔

(۳)۔ مزارعت نقد لگان پر دینے کے جواز پر جمہور علماء اسلام کا اتفاق ہے سوائے ان فقہاء کرام کے جو مزارعت کے قائل نہیں۔

(۴) مزارعت اور زمینداری اپنی عادلانہ اسلامی شرائط و قیود کے ساتھ جائز ہیں۔

اب ہم اُن اہم سوالات اور نکات کی طرف آتے ہیں جو مذکورہ بالا بحث اور اس سے اخذ کردہ نتائج سے سوچنے والوں کے ذہن میں اُبھرتے ہیں

۱۔ کیا ان نتائج کی رو سے موجودہ اور قدیم دور کے زمیندارانہ اور جاگیردارانہ نظام کا جواز بھی ملتا ہے؟

۲۔ کیا حاکم وقت مصالح عامہ کے مدنظر زمیندارانہ نظام کو ختم کر سکتا ہے؟

آیئے ان سوالات کے جواب کی طرف۔

۱۔ جواز مزارعت اور موجودہ نظام زمینداری و جاگیرداری

اگرچہ اسلام نے مزارعت اور زمینداری کی مشروط اجازت دی ہے مگر اسلام۔ جو انسان کی فطرت کا رازدان ہے ـــــ جانتا ہے کہ زمیندار ایک ایسا منہ زور گھوڑا ہے جو جب وقت بھی اپنی اکڑ پر اُتر آئے تو محتاج اور کمزور مزارع کی کھیتی کو اجاڑ کر رکھ دے اور اس محتاج کی موہوم اُمنگوں کے پودے اپنے نوکیلے سموں تلے روند ڈالے اور یوں اس کی معاشی اُمیدوں کا خون کر دے۔ بگڑا ہوا زمیندار اگر چاہے تو اپنی من مانی شرائط طے کر کے محتاج اور کمزور مزارع کا استحصال کرے اور اُسے چپ اور بظاہر خوش رہنے پہ مجبور کر دے۔ لہٰذا اسلام نے اسے قانونی اور اخلاقی پابندیوں کی لگام چڑھا کر محدود زمینداری کی اجازت مرحمت فرمائی ہے تاکہ وہ اپنے محتاج بھائی مزارع کا معاشی استحصال نہ کر سکے بلکہ نظام مزارعت کی گاڑی کا اُسے ایک برابر کا پہیہ تسلیم کرے اور اُس سے

برابری کا سلوک کرے۔ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور آرار فقہار میں جس مزارعت اور زمیندارہ کی اجازت دی گئی ہے اس سے مراد ایسا معاہدۂ مزارعت ہے جو مالک زمین اور مزارع کو برابری کی سطح پر رکھ کر تعاون اور اشتراک عمل کے جذبہ سے کام کرنے کے لیے تیار کرے۔

مگر زمینداری نظام اسلام کے عادلانہ معاشی نظام میں اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ ان تمام اسلامی شروط و قیود کے باوجود مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے اس نظام کے لیے اظہار موافقت کم اور اظہار ناپسندیدگی زیادہ مترشح ہے چنانچہ اسلام کے عادلانہ نظام معاش کے بڑے بڑے اساطین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "اظہار ناپسندیدگی زیادہ" کی روشنی میں زمیندارانہ نظام کو شرائط کے ساتھ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ مثلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے نہایت بزرگ اور معاشی عدل کے علمبردار صحابی سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ زمیندارہ نظام سے نفرت کرتے ہیں اور وہ زمین کو بٹائی یا نقد لگان دونوں پر دینا ناجائز سمجھتے ہیں۔ فقہار کے سرخیل حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بٹائی پر مزارعت کے خلاف ہیں حضرت طاؤس بن کیسان اور امام ابن حزم ظاہری نقد اجارہ زمین کو ناجائز کہتے ہیں[1] اور حضرت امام نسائی (ابو عبدالرحمان، احمد بن شعیب م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ روایت میں وہ جملہ جس سے صراحتہً نقد لگان پر زمین کا دینا ثابت ہوتا ہے، وہ حضرت سعید بن المسیب ـ جو راوی حدیث ہیں ـ کا مقولہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے[2] زمین کو بٹائی پر مزارعت کے لیے دینے والے فقہار کرام کے استدلال کا تانا بانا حدیث خیبر پر ہے جس کی رو سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کرنے کے بعد وہاں کی اراضی یہود خیبر کی درخواست پر اُن کے سپرد کر دی کہ وہ اسے کاشت کریں اور مسلمانوں کے بیت المال کو پھلوں اور زمینی

---

[1] بحوالہ مولانا محمد حفظ الرحمان سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹م، ص ۲۳۴۔

[2] فتح الباری، جلد ۵، ص ۲۰، بحوالہ مولانا حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۳۴۔

پیداوار کا نصف دیا کریں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کرام اور علماء اسلام جو جواز مزارعت کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ خیبر کو فتح کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی ریاست کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اراضی خیبر کے مالک بن گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہ اراضی یہود خیبر کو بطور ان کے اسلامی ریاست کے ذمی رعایا کے دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے ساتھ معاہدہ گویا اسلامی ریاست اور اس کے ذمی رعایا کے درمیان تھا (نہ کہ مسلمان زمیندار کا مسلمان مزارع کے ساتھ) اور یہ خراج مقاسمہ کہلاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود (غیر مسلم) کے درمیان ایک معاہدہ مزارعت کسی بھی طرح مسلمان کا مسلمان سے معاہدہ مزارعت کا جواز نہیں بن سکتا کیونکہ حدیث شریف میں اس کی واضح ممانعت مذکور ہے[۱]۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ استدلال بظاہر بڑا معقول اور وزنی معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ اس بحث سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اسلام تو ایک بے ضرر اور خیر خواہ زمینداری کو قبول کرنے میں بھی بڑا محتاط ہے چہ جائیکہ بے لگام، سرکش اور ضرر رساں نظام زمینداری اور جاگیرداری کو سند قبولیت عطا کر دے۔ اسلام تو اس ظالمانہ نظام زمینداری کا کبھی نہ سمجھوتہ کرنے والا دشمن (UNCOMPROMISING ENEMY) ہے جو ایک زمیندار کو گاؤں، چک اور وسیع علاقہ پر پھیلی ہوئی زمین کے مربعوں کا مالک بنا دے۔ جس کے علاقہ میں بسنے والے غریب لوگ — خواہ وہ اس کے مزارعین ہوں یا نہ ہوں — اس کے غلام بن کر رہیں، اس کی مرضی کے بغیر اپنی رائے کا استعمال نہ کر سکیں، جو فکری اور عملی طور پر اس سرکش وڈیرے کے ملازم بن کر رہیں۔ حتیٰ کہ اپنی خون پسینہ کی کمائی ہوئی روزی بھی اس کا کرم سمجھ کر کھائیں وہ ان سے بیگار لے، ان پر ظلم کرے، ان کی جان و مال اور آبرو سے کھیلے مگر کبھی وہ متمرد زمیندار ان غریبوں کو اپنے پاس بلائے یا ان کے گھر کے قریب کھڑا ہو جائے (خواہ اتفاقاً) یا اُن سے ہنس کر بول لے تو یہ غریب دو دن خوشی کے مارے کھانا نہ کھائیں کہ "میاں صاحب" نے ان سے محبت کی ہے۔

---

[۱] المرغینانی: الھدایہ، کتاب المزارعۃ۔

اسلام اس نظام زمینداری کی اجازت نہیں دیتا جو انسانوں کو آقا و غلام و مظلوم اور مکمل بااختیار اور پوری طرح بے بسی میں تقسیم کر دے۔ جو انسانوں میں دلی نفرتوں، سماجی کدورتوں اور معاشی رنجشوں کے بیج بو دے جس کے نتیجہ میں معاشرتی جدال و قتال کا سلسلہ شروع ہو جس کا نظارہ روس اور اس کے اشتراکی بیروکار ممالک دیکھ چکے ہیں۔

اسلام میں زیادہ سے زیادہ ایسی زمینداری کے جواز کی صورت تو مل سکتی ہے جہاں مالک زمین اور مزارع معاملہ مزارعت اشتراک اور تعاون باہمی کے جذبہ سے کریں اور جس میں ہر ایک دوسرے کو اپنا مخلص شریک اور بھائی سمجھے۔ مگر اس سے قدیم یا موجودہ زمینداری کا جواز تلاش کرنا، اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

یہ بالکل درست ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانوں میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر افراد امت کو زمینوں کے عطیات دیئے گئے۔ مگر یہ وہ دور تھا جب زمینیں عام تھیں اور ان کا بہت قلیل حصّہ کاشت کیا جاتا تھا، لہٰذا بے کار زمینیں آباد کاری کے لیے بطور عطیات دے دی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں یہ زمینیں ایسے افراد کو دی گئیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے یا دوسرے ایسے افراد تھے جو اپنی دینی خدمات کے ساتھ ساتھ علم اور تقویٰ کے پہاڑ تھے۔ ایسے افراد کے ہاتھ زمین کا آجانا انھیں سرکش بنا سکا نہ مزارعین پر ستم ڈھانے والا بنا سکا۔ وہ ان زمینوں کو یا تو خود گذارہ کے لیے کاشت کرتے یا اگر خود جہاد یا کسی اور دینی خدمت میں مشغولیت کی وجہ سے کاشت نہ کر سکتے تو کسی کو مزارعت پر دے دیتے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکتے تو فروخت کر دیتے۔ علاوہ ازیں سوائے ایک آدھ مستثنیات کے یہ عطیات کے طور پر دی گئی زمینیں مربعوں اور بڑے علاقہ پر پھیلی ہوئی نہ تھیں بلکہ گذارہ کے لیے تھیں جن کے پاس بطور عطیہ زیادہ زمین چلی گئی اور وہ آباد نہ کر سکے تو ان سے واپس لے لی گئیں۔ ان سے بے قید زمینداری نظام کا جواز لینا بہت بڑا ظلم ہوگا۔ زمینوں کو بطور عطیات دینے پر ہم آگے چل کر روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ۔

۱۱۔ نظام زمینداری کو ختم کرنے میں حاکم وقت کے اختیارات

کیا حاکم وقت مصالح عامہ کے پیش نظر نظام زمیندارہ کو ختم کر سکتا ہے یا جن زمینداروں

کے پاس ضرورت سے زائد یا بیکار پڑی اراضی ہیں اُنہیں توڑ کر ضرورت مند کسانوں میں تقسیم کر سکتا ہے؟ یہ بڑا اہم اور نازک مسئلہ ہے جس کا جواب علمار اسلام نے اپنی اپنی علمی بصیرت اور صلاحیت کے مطابق دیا ہے۔ مقالہ نگار کو نہ عالم ہونے کا دعویٰ ہے نہ مجتہد بننے کا شوق ہے، یہ تو علمار اسلام کی آرار کو پیش کر سکتا ہے یا زیادہ سے زیادہ ان کی کسی ایک جماعت کی ہم خیالی کر سکتا ہے مقالہ نگار اس ضمن میں اُن علمار اسلام کے نظریہ کی تائید کرتا ہے جو مسلمان حاکم وقت کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ اگر۔

ا :۔ مالکان زمین اپنی زمینیں محتاج مزارعین کو فاسد شرائط پر دے کر ان کا استحصال کرتے ہوں (جن کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت اور زمینداری کے عدم جواز کا فیصلہ فرمایا تھا) اور مزارعین کے پاس اس موجودہ زمین کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو۔

ب :۔ مالکان زمین اور مزارعین کے درمیان تنازعات اور مناقشات ایک اجتماعی سماجی اور معاشی تنازعہ کی شکل اختیار کر لیں جو کسی خونی انقلاب کی طرف بڑھ رہے ہوں۔

ج :۔ ظالم اور وڈیرے زمیندار گاؤں کے گاؤں اور علاقوں کے علاقوں کی مزروعہ زمینوں پر قابض ہوں اور انہوں نے مزارعین کو اپنا بے بس غلام بنا رکھا ہو اور اپنے زیر اختیار علاقہ میں ظلم اور من مانی کارروائیوں کا دور دورا کر رکھا ہو جو کسی بھی وقت ان بے نوا مزارعین کو مجتمع ہونے اور انتقامی جذبات پر ابھار کر خون خرابہ کی طرف لے جا سکتا ہو۔

د :۔ زمینداروں کے پاس فاضل (SURPLUS) زمینیں بے کار پڑی ہوں جبکہ محتاج مزارعین کو کاشت کرنے کے لیے زمین نہ ملے یا گذارہ سے کم ملے۔

ھ :۔ ظالم زمیندار مرتد ہو جائے یا اسلامی ریاست کے خلاف دشمنوں سے ایسے تعلقات رکھے جو ریاست کے بنیادی نظریہ اور اس کی سالمیت کے خلاف ہوں۔

تو ان مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں بھی مسلمان حاکم وقت کو اختیار ہوگا کہ زمینداروں سے فاضل زمین لے کر مزارعین میں تقسیم کر دے۔ اگرچہ اسلامی تاریخ میں اس قسم کی مثالیں بہت کم ملیں گی جہاں کسی زمیندار (ماسوائے مرتد اور اسلامی ریاست کے باغی کے) کی زمین بحق سرکار ضبط کر کے مزارعین یا غریبوں میں تقسیم کی گئی ہو جس کی وجوہات راقم

کی نگاہ میں یہ ہیں۔

۱:۔ اسلام چونکہ نظام زمینداری کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے لہٰذا اُمتِ مسلمہ میں بڑے بڑے زمیندار نہیں پائے گئے اور اگر کچھ تھے بھی تو وہ اسلامی حکومت کے خلیفہ کے سامنے بے بس تھے۔ دراصل جہاں قانون کی حکمرانی ہو وہاں ایسے ظالم بے بس ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے مزارعین کا استحصال نہیں کر سکتے تھے۔ نہ مزارعین ان سے تنازعات کھڑا کرتے نہ ان کی زمینداری ختم کرنے کی نوبت آئی۔

۲:۔ ظالمانہ نظام زمینداری کی بنیاد دراصل زوال بغداد کے بعد اسلامی ممالک پر مسلط ہونے والے گورے آقاؤں (خواہ برطانوی ہو یا فرانسیسی یا جرمن) نے چند غدارانِ اُمت کو اُن کی غداری کا صلہ دے کر ڈالی۔ ایسے ہی زمینداران ہیں جو اپنے بڑے زمیندار یا حاکم وقت کے تسلط کو باقی رکھنے کے لیے غریب مزارعین پر اپنا جابرانہ تسلط باقی رکھتے ہیں۔ لہٰذا حکومت کو ان کی زمینیں توڑنے کی ضرورت کیا تھی؟

۳: عالم اسلام کے زوال کے بعد اسلامی ممالک میں جتنی حکومتیں بنی ہیں وہ یا تو انہی زمینداروں یا ان کے تائید کنندہ افراد کی بنی ہیں یا عسکری انقلاب کے ذریعے وجود میں آئی ہیں۔ زمینداروں کی یا ان کی تائید سے وجود میں آنے اور باقی رہنے والی حکومتیں بھلا زمینداروں کی زمینیں توڑ کر اُن کی دشمنی کیونکر مول لیتیں۔ رہے عسکری انقلاب لانے والے تو ان کے ہاں اپنے انقلاب کی بقا اور طول دینے کی فکر ہی اتنی ضروری ہوتی ہے کہ مزارعین کی فلاح کی طرف توجہ دینے کا وقت ہی نہیں ملتا۔

۴:۔ موجودہ عالم اسلام کے مسلم ممالک کی حکومتیں مسلمانوں کی تو ہیں اسلامی نہیں ہیں سربرآرا ہونے والے مسلمان سربراہان مملکت عموماً اسلام کی معاشی تعلیمات سے عاری ہوتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ اسلام کا معاشی نظام عدل امیر اور

غریب، زمیندار اور مزارع اور سرمایہ دار اور محنت کش کے حقوق و فرائض کی کیا تعیین کرتا ہے؟ اگر وہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام جاری کرتے تو انہیں ظالم زمینداروں کے جابرانہ تسلط سے محتاج مزارعین کو چھٹکارا دلانے کے لیے مروجہ زمیندارانہ نظام کے خلاف کار روائی کرنا پڑتی، جو کہ نہیں کی گئی۔

مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جائے کہ اگر کسی کارخیر اور فلاحی منصوبہ پر کوئی حاکم عمل نہیں کر سکا تو شاید وہ درست بھی نہ ہو۔ ہمارے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال ہے جنہوں نے بے قید زمیندارانہ نظام کے بھیانک خطرات کو بھانپ کر اور روم اور ایران میں زمینداروں کے ظالمانہ رویّہ کو دیکھ کر اس نظام کو ختم کرنے یا اسلامی قیود کے تابع بنانے کی کوشش کی اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب عراق اور شام کی زرخیز زمینیں مسلمانوں نے فتح کر لیں۔ تو ایک اہم مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ ان زمینوں کے ساتھ۔ جو بزور شمشیر فتح ہوئی ہیں۔ کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ اس کے مقتضی ہیں کہ ان زمینوں کو مالِ غنیمت میں شامل کر کے اس کا چار خمس (۴/۵) مجاہدینِ اسلام میں تقسیم کر دینا چاہیے ایک خمس (۱/۵ حصہ) ان مصالح عامہ کے لیے خرچ کر دینا چاہیے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر یہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اس میں وراثت جاری ہو تو اس کے بعد آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا؟ لہٰذا میری یہ رائے نہیں ہے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا تو کیا رائے ہے۔ زمین اور رعایا دونوں کو اللہ کریم نے مسلمانوں کو بطور مالِ غنیمت دیا ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بات تو وہی درست ہے جو تم کہتے ہو مگر میری رائے یہ نہیں ہے۔ اللہ کریم کی قسم! میرے بعد جو ملک فتح ہوگا اس میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے سر وبال بن جائے۔ اگر عراق کی زمین مع ذمی رعایا کے بانٹ دی جائے اور اسی طرح شام کی زمین مع ذمی رعایا کے بانٹ دی جائے۔ تو سرحد کی حفاظت کیونکر ہوگی؟ شام، عراق اور دوسرے شہروں کے یتیم بچوں اور بیواؤں کو کیا ملے گا؟ لیکن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت مباحثہ کیا ان میں پیش پیش حضرت بلال، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہم تھے۔

ان کا استدلال تھا" اللہ کریم نے ہماری تلواروں کے ذریعے ہم کو جو مال غنیمت عطا فرمایا آپ اُسے ایسے لوگوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جو شریک جہاد نہیں ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے۔ آخر طے پایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر مشاورت کر لی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اولین رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا مگر انہوں نے بھی آپ کی رائے سے اختلاف کیا البتہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم آپ کے ہمنوا تھے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ مخالف تھے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس انصار باوفا رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا جس میں پانچ شرفائے اوس اور پانچ شرفائے خزرج تھے۔ جب یہ تمام اکابر امت رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوئے تو آپ نے خطبہ کے انداز میں فرمایا:

"میں نے آپ حضرات کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ لوگ میری ذمہ داریوں میں شریک ہوں۔ میں بھی آپ ہی میں سے ایک معمولی فرد ہوں۔ آج آپ لوگ ہی حق قائم رکھ سکتے ہیں۔ کسی نے میری موافقت کی اور کسی نے میری مخالفت میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری خواہش نفسانی کی تقلید کریں۔ آپ کے پاس اللہ کریم کی کتاب ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہوں جو میں کرنا چاہتا ہوں تو میرا مقصد صرف حق ہوگا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: فرمایئے آپ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمانا شروع کیا:

"آپ حضرات نے اُن دوستوں کی بات سُن لی جو کہتے ہیں کہ میں ان کے حقوق ظلماً لینا چاہتا ہوں۔ میں اللہ کریم سے پناہ مانگتا ہوں کہ ظلم کا ارتکاب کروں۔ اگر میں اُن سے کوئی ایسی چیز ظلماً لے لوں جو ان کی ہے تو میں سخت بدبخت ہوں گا مگر میری رائے ہے کہ ملک کسریٰ کی فتح کے بعد اگر تمام مال و جائیداد اور رعایا کو مال غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دیا جائے اور خمس (۱/۵) کو اس کے مصارف میں تقسیم کر دوں تو کوئی دوسرا ملک فتح نہ ہو سکے گا۔ میری رائے ہے کہ تمام اراضی

کو مع رعایا کے وقف قرار دوں اور اُن پر خراج اور جزیہ مقرر کر دوں اور اس کی آمدن آئندہ کے لیے لشکر کارِ جنگ، ان کے بچوں اور انکے بعد آنے والے مسلمانوں کے لیے وقف عام کر دوں۔ کیا آپ لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے بہت سے فوجیوں کی ضرورت ہے، جو وہاں مجتمع رہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ان بڑے بڑے شہروں یعنی شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کے لیے ضروری ہے کہ فوجوں کے ذریعے ان کی حفاظت کی جائے اور ان فوجیوں کو وظائف دیئے جائیں۔ لیکن اگر یہ زمینیں اور رعایا تقسیم کر دی گئی تو انہیں کہاں سے وظیفہ دیا جائے گا؟"

اس پر موجود اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

"آپ ہی کی رائے ٹھیک ہے اور آپ نے بہت ہی صحیح فرمایا کہ اگر یہ سرحدیں اور شہر فوج کے ذریعے محفوظ نہ رکھے جائیں اور فوجوں کو وظائف نہ دیے جائیں تو تمام کفار اپنے اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے لیے معاملہ صاف ہو گیا۔ یوں زمین کو اس کے اصل مالکوں کے قبضہ میں رہتے دیا اور اُن پر خراج مقرر کر دیا۔ ان کی یہ رائے صحیح تھی اور عام رائے کی پیروی میں مخالفین خاموش ہو گئے۔ [۱]

اس طویل واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ انہوں نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان اراضی کو تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی موافقت میں قرآن کریم کے دلائل پیش کیے [۲] یہ سب اللہ کریم کی توفیق کا نتیجہ تھا اور در اصل اس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی اور خراج کا جمع ہونا اور اس کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا

---

[۱] یہ سارا واقعہ ہم نے تفصیل کے ساتھ ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج صفحہ ۲۴ تا ۲۹ سے اور علامہ خضری بک کی کتاب تاریخ التشریع الاسلامی باب فقہ بعهد کبار الصحابہ سے نقل کیا ہے۔

[۲] حوالہ بالا

جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیم اراضی کے مقابلہ میں بدرجہا مفید تھا[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر اس اجتماعی فیصلہ کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں جتنے ممالک فتح ہوئے اور جتنی اراضی بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کا بیشتر حصہ اسلامی ریاست کی ملکیت رہا جس پر اسلامی ریاست خراج وصول کرتی جو اس کے انتظامی اُمور اور دفاعی ضروریات کے کام آتا رہا۔ اور مجاہدین اور فاتحین کے اصرار کے باوجود ان اراضی کا کوئی حصہ انھیں بطور جائیداد نہیں دیا گیا[2]

دراصل زمینداری اور کاشتکاری میں مشغولیت اسلام کے "جہادی مزاج" کے خلاف ہے اس لیے آپ نے دیکھا کہ عدم جواز زراعت کی احادیث میں نمایاں حدیث وہ ہے جس میں مصطفیٰ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "زراعت کرنے والے ذلیل و رسوا ہوں گے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ارشاد کی روح کو اس قدر جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے کہ انہوں نے ایک زمانہ اپنے دور خلافت میں تمام مسلمانوں کو زمینداری اور کاشتکاری سے بالکل روک دیا اور اعلان کرا دیا کہ جب مسلمانوں کے بچوں اور غلاموں تک کو بیت المال سے وظیفہ دیا جانے لگا ہے تو پھر وہ کیوں نہ سارے کے سارے اسلامی ریاست کے نظم و نسق کو چلانے اور جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہر دم کوشاں اور تیار رہیں[3]

عبداللہ بن ھبیرہ کہتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر منادیا ان یخرج إلی أُمراء الاجناد یقدمون الی الرعیۃ أن عطاء ھم قائم وان رزق عیالھم سائل فلا یزرعون[4]

---

[1] ابویوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۲۴ - ۲۹

[2] مولانا حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۵۹ء، ص ۲۳۸

[3] ایضاً

[4] علامہ سیوطی، جلال الدین: حسن المحاضرۃ، ص ۷

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر میں تمام اسلامی لشکر کے سرداروں میں یہ منادی کرادی کہ تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر ہیں اور ان کو اولاد کے لیے سامان رزق جاری کر دیا گیا ہے لہٰذا کوئی مسلمان زراعت کا پیشہ اختیار نہ کرے۔

ایک سردار شریک بن سمّی عطفیؒ نے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے عذر پیش کرکے سرکاری وظیفہ ان کی پوری طرح کفالت نہیں کرتا، زراعت شروع کردی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا تو انہوں نے شریکؒ کو دربار میں بلا کر سخت تنبیہ فرمائی اور یہ تائب ہو کر واپس آئے کہ آئندہ زراعت کی حرکت نہیں کریں گے۔[۱]

اس ضمن میں علامہ جوہری طنطاوی کا تبصرہ نہایت مفید ہے۔ لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں جب دولت کی کثرت ہوگئی تو تمام افراد کے وظیفے مقرر کر دیے گئے اور رجسٹر مرتب کر دیے گئے۔ عالموں اور قاضیوں کے مشاہرے بھی مقرر کر دیے گئے۔ تو دولت کا اکتناز کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ زمینداری کو یکسر موقوف کر دیا گیا اور زراعت اور مزارعت دونوں کو ممنوع قرار دیا گیا یہ اس لیے کیا گیا کہ تمام افراد (امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ان کے اہل وعیال، ان کے غلاموں حتیٰ کہ آزاد شدہ غلاموں تک کے وظائف بیت المال سے مقرر کر دیے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس حکم سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہر وقت ایک فوجی کی حیثیت سے کوچ کے منتظر رہیں، اور کھیتی باڑی کی مصروفیت ان کی راہ کا پتھر نہ بن سکے اور خوش عیشی اور عیش کوشی ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکے۔ آپ کے اس حکم کا دائرہ یہاں تک وسیع کر دیا گیا کہ اگر کوئی ملک کا قدیم ذمی شہری بھی اسلام قبول کر لیتا تو اس کی تمام جائیداد

---

[۱] علامہ سیوطی، جلال الدین: حسن المحاضرۃ، ص ۷

واملاک اس کی بستی کے ذمیوں میں تقسیم کر دی جاتی اور وہ ذمی اس جائیداد و املاک کا خراج ادا کرتے رہتے، البتہ صرف اس مسلمان ہونے والے شخص کا نقد مال اور حیوانات اس کے سپرد کر دیے جاتے تھے اور خلافت کی جانب سے اس کا ماہانہ وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا[۱]

"حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں یہی حکم فرمایا تھا۔ دراصل وہ ہر معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہونا پسند فرماتے تھے"[۲]

غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حکمت عملی ابتدائے دورِ بنی اُمیہ تک جاری رہی اس کے بعد بیت المال سے وظائف کا سلسلہ غیر مستقل ہو گیا یا وسعت ریاست کی وجہ سے غیر منظم ہو گیا اور مسلمانوں نے اپنی معاش کے لیے زراعت اور مزارعت اور یوں زمینداری کی طرف توجہ دی۔ پھر ظاہر ہے کہ زمیندارانہ نظام کی بے قاعدگیاں بھی در آئی ہونگی جنہیں مشاہدہ کر کے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء اسلام نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث مبارکہ کو شدّ و مد کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا جن میں صراحتہً زمیندارہ نظام کی مخالفت مذکور تھی کیونکہ یہ اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے خیر خواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء عظام جانتے تھے کہ اسلام کا نظام جہاد اور غلبہ حق زراعت اور زمیندارانہ نظام کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اس لیے وہ لوگ جو ردّ زمینداری کی احادیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث بنو اُمیہ کے زمانہ کی ابتداء میں کیوں بیان ہونا شروع ہوئیں اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور دیگر محدثین نے روایات کو پہلے کیوں نہیں بیان فرمایا۔ ان کا اشکال بجا مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے بعد مسلمان زمیندار اور کاشت کار نہیں تھے بلکہ اسلام کے سپاہی تھے جنہیں اسلامی ریاست کے بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ لہٰذا نہ وہ زمیندارہ نظام

---

[۱] جوہری طنطاوی: نظام العالم والامم، قاہرہ، جلد ۲، ص ۱۸۳ - ۱۸۴ -

[۲] حوالا بالا، ص ۱۸۴ -

میں لگے ہوئے تھے نہ اس طرح کا ظلم ہوتا تھا، نہ ممانعت زمینداری کی احادیث کا برسرِعام تذکرہ ضروری تھا کیونکہ ممانعت کے بیان کے لیے بھی توجہ کی ضرورت تھی اور وہ ضرورت اب پیش آئی تھی۔ بنواُمیہ کے زمانہ میں جب زراعت کا رجحان بڑھا اور زمیندارانہ نظام کی شروعات ہوئیں تو محدثین کرام کے سینوں میں جو ممانعت مزارعت اور زمینداری کی احادیث بطور امانت تھیں انہوں نے اُنہیں نکال کر اُمتِ مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا۔ جن کی تحقیق و تطبیق بھی کی گئی اور مسئلہ کی صحیح صُورت بھی متعین کر دی گئی جس کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں۔

نتیجۂ بحث۔ اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل آسان ہے کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام مزاجاً زمیندارہ نظام کو ناپسند کرتا ہے اور جب زمینداری نظام کی خرابیاں عام ہو جائیں تو مسلمان حاکم وقت اس نظام کو حدود و قیود کا پابند بھی بنا سکتا ہے اور اگر کوئی سیرتِ فاروقی اور جذبہ فاروقی رکھتا ہے تو ختم بھی کر سکتا ہے لیکن خلیفہ کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مالکانِ زمین کو ان کا صحیح معاوضہ ادا کرے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱: خلیفۂ اسلام زمینداروں کی مملوکہ خود کاشت زمینوں کو چھوڑ کر باقی زمینیں ان کے بے بس مزارعین میں بحیثیت گذارہ زمین کے تقسیم کر دے اور ان مزارعین سے ان کی قیمت آسان قسطوں کی شکل میں ادائیگی کا قانونی انتظام کرے۔ جو زمینیں باقی رہ جائیں وہ اسلامی ریاست کی ملکیت ہوں۔

۲: خلیفہ بڑے بڑے زمینداروں سے ان کی کاشت کردہ زمینیں چھوڑ کر باقی زمینیں بحق اسلامی ریاست لے لے اور ان زمینوں کی واجبی قیمت بیت المال سے ادا کرے۔ یہ زمینیں کسانوں کو دی جائیں جو اس پر شرعی حیثیت سے عشر یا خراج ادا کریں جو اسلامی ریاست کا ذریعہ آمدن ہوگا۔ (واللہ اعلم)

زراعت کی ترقی کے وسائل

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اسلام زراعت کے جواز سے زیادہ اس کے کارِثواب ہونے کا داعی ہے اور زراعت ایسا پیشہ ہے جو نہ صرف انسان کی بنیادی ضروریات

زندگی کا کفیل بن سکتا ہے بلکہ دیگر معاشی پیشوں مثلاً تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ کا مدار بھی اسی سے خام مال کی فراہمی پر ہے۔ تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اس معاشی عمل کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے اور ایسے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں جو اس ترقی و توسیع میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں:

اسلام کا معاشی نظام ۔ جو دونوں جہان کی فلاح و خوشحالی کا نظام ہے وہ انسانی زندگی کے اس قابل اعتماد معاشی وسیلہ (زراعت) کی ترقی کے لیے چند ذرائع و وسائل تجویز کرتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ بنجر زمینوں کی آبادکاری اور اس کے لیے عطیات زمین کا طریقہ۔

ب۔ وسائل آبپاشی کی ترقی و توسیع۔

ج۔ لگان و مالگذاری کی تخفیف۔

د۔ کاشتکاروں (مزارعین) کے لیے خصوصی مراعات۔

ا۔ بنجر زمینوں کی آبادکاری

زراعت کی ترقی کے لیے ایک نہایت قابل اعتماد وسیلہ یہ رہا ہے اور ہے بھی کہ بے آباد زمینوں کو آباد کیا جائے۔ ایسی زمینیں صحراؤں، جنگلوں، پہاڑوں اور چٹیل میدانوں اور خشک ٹیلوں کی شکل میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایسی زمینیں انسانی محنت، صبر اور توکل کا امتحان لے کر آباد کی جا سکتی ہیں۔ سخت جان اور مسلسل محنت کر کے بھی مایوس نہ ہونے والی قوم یا افراد ایسی زمینوں کے ثمرات سمیٹ سکتے ہیں آسان، آرام کوش اور صرف کاغذی منصوبے بنانے والے اور محض تمناؤں کے گھوڑے دوڑانے والے افراد اس معاشی ذریعہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اسلام کا معاشی نظام اپنے پیروکاروں کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ دنیا کی زندگی خوشحالی کے لیے اور زراعت کے بابرکت پیشہ کو ترقی دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ غیر مزروعہ، بنجر اور بے آباد زمینوں کو سخت محنت کر کے آباد کیا جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں امت کو ترغیبات دی ہیں۔ مثلاً

من عمّر ارضاً ليست لأحد فهو أحق بها [1]

ترجمہ: جس شخص نے ایسی زمین کو کاشت کے قابل بنا لیا جو کسی کی ملک نہیں تو وہ شخص ہی اس کی ملکیت کا مستحق ہے۔

من أحيا ارضاً ميتة فهي له [2]

ترجمہ: جس کسی نے مردہ (بنجر) زمین کو زندہ کیا (قابل کاشت بنایا)، وہ اس کی ہو گئی۔

من أحاط حائطاً على الأرض فهي له [3]

ترجمہ: جس نے کسی (بنجر افتادہ) زمین پر احاطہ کھینچ لیا وہ زمین اسی کی ہو گئی۔

فقہاء اسلام کے نزدیک بنجر زمین، سخت زمین، ریتلی یا ریت چڑھی ہوئی زمین، پتھریلی زمین، ٹیلے جو آبادی سے دور ہوں۔ اور جن کا نہ کوئی مالک ہے نہ مالک کا پتہ چلتا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ جو زمین ناکارہ پڑی ہو اور اس کی یہ خرابی قدیم اور عادی ہو (یہ سب موات۔ مردہ زمینیں ہیں)۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان یا ذمی (کافر رعایا) خلیفہ کی اجازت سے اسے قابل کاشت بنائے تو یہ زمین اس کی ملکیت میں چلی جائے گی [4]

آبادکاری کے طریقے: ایسی زمینوں کی آبادکاری کے دو طریقے ہو سکتے ہیں:

پہلا طریقہ اسلامی ریاست کا سربراہ (امیر المومنین) ضرورت مند کسانوں اور صاحب استطاعت و استعداد افراد کو ترغیب دے کر وہ ایسی زمینیں آباد کرنے کے لیے جرأت مندی سے کام لیں۔ یہ ترغیب مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے مثلاً

ا۔ انہیں دو تین سال کا لگان معاف کر دے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، باب من احیاء ارضاً مواتاً۔

[2] ترمذی۔ سنن ابی داؤد۔ سنن نسائی۔ کتاب المزارعۃ۔

[3] ابو داؤد السنن۔ کتاب الخراج و الفیئ والامارہ۔ باب فی قطاع الارضیین۔

[4] سعیدیات فی المعاملات، ص ۳۰۰۔ ۳۰۱ مولانا حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۵۹، ص ۲۱۹۔

ب ۔ آسان قسطوں پر بلاسود قرضے اور آلات اور مشینری وغیرہ دے ۔
ج ۔ سب سے زیادہ مؤثر ترغیبی طریقہ یہ ہوگا کہ انہیں ان زمینوں کا مالک بنا دیا جائے اسکو اسلامی معاشیات کی اصطلاح میں اقطاع یا جاگیر دینا کہتے ہیں ۔
ہم اس تیسرے طریقہ ترغیب پر روشنی ڈالتے ہیں ۔

طریقہ اقطاع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خیر القرون تک کے تمام اسلامی خلفاء بنجر زمینوں کی آبادکاری کے لیے انہیں مختلف افراد امت کو بطور اقطاع یا جاگیر دیتے آئے ہیں ۔ چند نظائر ملاحظہ ہوں :

ا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاکردہ جاگیریں

۱ ۔ عن اسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اقطع الزبير رضي الله عنه ارضًا بخيبر فيها شجر ونخل[1]

ترجمہ : حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خیبر سے ایک قطعہ زمین بطور جاگیر عنایت فرمایا، جس میں درخت اور کھجور کے پیڑ تھے ۔

۲ ۔ وفى رواية ابى داؤد واحمد انه صلى الله عليه وسلم اقطعه حضر فرسه ۔ فأجرى فرسه حتى قام ثم رمى بسوطه فقال : اعطوه من حيث بلغ السوط[2]

ترجمہ : ابوداؤدؒ اور احمدؒ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو وہاں تک زمین عنایت فرمانے کا حکم دیا جہاں تک اُن کا گھوڑا

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب الجہاد والسیر ۔ ماکان النبی أعطی الخ

[2] ابوداؤد بحوالہ بالا ۔

دوڑ سکتا تھا ۔ انہوں نے اپنا گھوڑا دوڑایا یہاں تک کہ وہ تھک کر رک گیا پھر انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : انہیں وہاں تک زمین دیدو جہاں تک ان کا کوڑا پہنچا ہے ۔

۳ ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أقطع بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ معاون القبلیۃ وھی من اعمال الضرع[۱] ...... ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقطعہ العقیق اجمعہ[۲]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ کو معاون قبلیہ (مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان) کی اونچی زمین بطور جاگیر عطا فرمائی ...... ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وادی عقیق عنایت فرمائی۔

۴ ۔ عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ : أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أقطع فرات بن حیان العجلی أرضا بالیمامۃ[۳]

ترجمہ : حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرات بن حیان العجلی رضی اللہ عنہ کو یمامہ میں زمین بطور جاگیر عطا فرمائی ۔

۵ ۔ عن عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ : لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم أقطع لأبی بکر وأقطع لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما[۴]

ترجمہ : حضرت عمرو بن دینار رض کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ منورہ) تشریف لائے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

---

[۱] حوالۂ بالا

[۲] ابوعبید قاسم بن سلام : کتاب الاموال ، باب الاقطاع

[۳] حوالۂ بالا

[۴] ابویوسف : کتاب الخراج ، مطبوعہ دارالاصلاح ۱۹۸۱ ، ص ۱۳۲

کو زمینی قطعات عنایت فرمائے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو انصار باوفا (رضی اللہ عنہم) کے گھروں اور کھجوروں کے درمیان کچھ قطعات زمین عطا کیے[1]

۷۔ حضرت علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں: کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حضرموت میں ایک جاگیر عنایت فرمائی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ زمین ماپ کر دیں[2]

ب۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اقطاع

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی میں مستحقین کو قطعات اراضی دیے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اقطع ابوبكر طلحة بن عبيد الله أرضا وكتب له بها كتابا. وأشهد له ناسا فيهم عمر[3]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو زمین بطور جاگیر دی اور انہیں اس کا پروانہ بھی لکھ کر دیا جس پر لوگ گواہ ٹھہرائے گئے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

---

[1] ابوداؤد: حوالہ مذکور

[2] جامع ترمذی: باب احیاء الموات

[3] ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، باب الاقطاع۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاہدہ پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: لا اختم، أهذا كله لك دون الناس؟ (میں اس پر مہر نہیں لگاؤں گا۔ کیا یہ ساری زمین دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر تمہارے لیے ہو جائے؟ (حوالہ مذکورہ) غالباً آباد اور خراج کی زمین ہوگی۔

۲- ان نافع أبو عبد الله قال لعمر بن الخطاب: ان قبلنا أرضا بالبصرة ليست من أرض الخراج، ولا تضر بأحد من المسلمين. فان رأيت ان تقطعنيها اتخذ فيها قضبًا لخيلي، فافعل. قال: فكتب عمر إلى أبي موسى الاشعري: ان كانت كما يقول فاقطعها اياه۔ ؎۱

ترجمہ: حضرت نافع ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے درخواست کی ہمارے ہاں بصرہ میں کچھ ایسی زمین پڑی ہے جو خراجی نہیں ہے اور نہ ہی اُس کے اقطاع میں کسی مسلمان کا نقصان ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو وہ مجھے بطور جاگیر عطا کر دیں میں اُس میں اپنے گھوڑوں کے لیے گھاس اور پودے اُگاؤں گا۔ آپ نے اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (گورنر بصرہ) کو لکھا اگر وہ زمین ایسی ہی ہے جیسی یہ بتا رہے ہیں تو پھر انہیں بطور جاگیر دے دیں۔

۳- عن عوف بن أبي جميلة قال: قرأت كتاب عمر إلى أبي موسى: ان ابا عبد الله سألني أرضا على شاطى دجلة فان لم تكن أرض جزية ولا أرضا يجرى اليها ماء جزية فاعطها اياه۔ ؎۲

ترجمہ: حضرت عوف بن ابی جمیلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھا جو انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا (اس میں درج تھا): ابوعبداللہ نے دجلہ کے کنارے مجھ سے زمین کا قطعہ مانگا ہے۔ اگر وہ زمین جزیہ کی نہ ہو اور نہ ہی جزیہ کے پانی سے سیراب ہوتی ہو تو انھیں دیدو۔

؎۱ ابوعبید قاسم بن سلام: حوالہ مذکورہ

؎۲ حوالہ مذکورہ۔

۴۔ عن موسىٰ ابن طلحة رضي الله عنه : أقطع عثمان بن عفان لعبد الله بن مسعود في النهرين ولعمار بن ياسر سَنينا، وأقطع خبابا صعنبى، وأقطع سعد بن مالك قرية هرمز[1]

ترجمہ: حضرت موسیٰ ابن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہرین[2] میں اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سنینا[3] میں زمینیں دیں۔ انہوں نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو صعنبی[4] کی زمین اور حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو ہرمز کا گاؤں عنایت فرمایا۔

۵۔ عن موسىٰ بن طلحة : أن عثمان أقطع خمسة من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم : الزبير وسعدًا، وابن مسعود وأسامة بن زيد وخباب بن الارت رضي الله عنهم[5]

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ اصحاب رضی اللہ عنہم کو زمین دیں، ان میں حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں۔

ان روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۱۳

[2] نہرین کو نہرین بھی پڑھا گیا ہے اور نہر بیلی بھی پڑھا گیا ہے یہ بغداد کے نوع میں علاقہ تھا۔ (دیکھیے کتاب مراصد الاطلاع ۱۴۰۱)

[3] سنینا کو ستینیا بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ کوفہ کا ایک گاؤں تھا (ابو عبید: کتاب الاموال، حاشیہ صفحہ ۲۵۷۔ باب الاقطاع)۔

[4] صعنبی سواد عراق کا گاؤں تھا۔

[5] ابو عبید قاسم بن سلام: حوالہ مذکورہ۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مختلف افراد اُمت کو زمینیں بطور جاگیر عطا کیں۔ یہ سب کچھ اُمت کی فلاح و ترقی کے لیے تھا اور اس کے دینی و دنیوی مصالح بھی تھے،

حضرت امام ابو یوسفؒ نے ان مصالح پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

فقد جاءت هذه الآثار بأن النبی - صلی الله علیه وسلم اقطع اقواما وأن الخلفاء من بعده أقطعوا - ورأی النبی صلی الله علیه وسلم الصلاح فیما فعل من ذٰلك، اذ كان فیه تألف علی الاسلام، و عمارة الأرض - وكذلك الخلفاء اقطعوا من رأوا ان له غناء فی الاسلام، ونكایة فی العدو، ورأوا ان الأفضل ما فعلوا، ولولا ذلك لم یأتوه، ولم یقطعوا حق مسلم ولا معاهد [1]

ترجمہ: جاگیر دینے کے بارے میں ان آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف قوموں کو زمینیں دی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی دی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مبارک عمل میں یہ حکمت سمجھی کہ اس ذریعہ سے اسلام کے ساتھ لوگوں کی رغبت بھی بڑھتی ہے اور زمین کی آبادکاری بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اس عمل کو اسلام کی رفاہیت [2] (یعنی بیت المال کی آمدن کا ذریعہ) اور دشمن کو زک دینے کا وسیلہ سمجھتے تھے اور وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جو کچھ انہوں نے کیا بہترین کیا اور اگر یہ (فلاح اُمت و اسلام) خیال نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ (البتہ ایسا کرنے میں) انہوں نے کبھی کسی مسلم یا ذمی کا حق نہیں مارا

---

[1] ابو یوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۱۳۳ - ۱۴۴۔

[2] مولانا حفظ الرحمانؒ رفاہیت کی شرح میں لکھتے ہیں، مالی خوشحالی حکومت کے ساتھ رعایا کی وفاداری کا موجب ہوتی ہے (اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۲۲ - ۲۲۳)۔

تھا (یعنی کسی کی زمین چھین کر کسی کو نہیں دی تھی) ۔

اقطاع کی شرائط

کیا یہ اقطاع (جاگیر دینا) خلیفہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جو زمین جس کو چاہے خوش ہو کر عنایت کر دے؟ ہرگز نہیں بلکہ اسلام کے اقتصادی نظام سے اقطاع کے طریقہ کو ضابطوں کا پابند بنایا ہے۔ فقہاء اسلام نے اپنی کتب فقہ کے ابواب احیاء الموات (مردہ زمینوں کی آباد کاری) اور اقطاع الارض (زمین کو بطور جاگیر دینا) میں ان قواعد کو مفصل بیان کیا ہے۔ یہاں اُن قواعد و ضوابط کو مختصراً بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ وہ زمین اسلامی ریاست کے کسی مسلم یا ذمی رعایا کی ملکیت نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں:

وللإمام أن يقطع كل موات وكل ما كان ليس لأحد فيه ملك وليس في يد احد[1]

ترجمہ: امام کو چاہیے کہ وہ تمام بنجر زمینیں بطور قطعات دیدے۔ اس طرح ایسی تمام زمینیں بھی جو نہ تو کسی کی ملکیت ہوں نہ کسی کے قبضہ میں ہوں۔

۲۔ وہ زمین رفاہ عام اور مصالح عامہ کے کام نہ آتی ہو یا نہ آ سکے۔ اور شہر یا گاؤں سے دور واقع ہو امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون رشید کے ایک سوال کے جواب میں لکھا۔

اے امیر المؤمنین! آپ نے ان زمینوں کے بارے میں دریافت کیا ہے جو فوج کشی کے ذریعہ سے یا صلحت کی راہ سے فتح کی گئی ہیں اور ان زمینوں کے بارے میں دریافت کیا ہے جو بعض دیہاتوں میں اس حالت میں موجود ہیں کہ نہ اُن میں مکان ہونے کے نشانات پائے جاتے ہیں نہ زراعت کے، تو ان کے بارے کیا مشورہ ہے؟ پس اگر ایسی زمینوں میں نہ مکانیت کے آثار ہوں اور نہ ہی زراعت کے نشانات اور نہ ہی وہ اہلیان بستی کے حق میں "فیئ" ہو، اور نہ قبرستان ہو اور نہ چراگاہ اور نہ وہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو تو ایسی زمین "ارض موات" (بنجر زمین) ہے۔ پس جو شخص اس کو یا اس کے کچھ حصّہ کو آباد کرے تو وہ اسکی

---

[1] ابو یوسفؒ: ص ۶۱۔ [2] ابو یوسفؒ: ۱۳۷

ہوجائے گی۔ آپ کو ایسی زمینیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو آپ کو بطور جاگیر دینے کا اختیار ہے۔ اور اگر مناسب سمجھیں تو اجرت پر کاشت کرالینا یا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرالینا بھی جائز ہے لے

۲۔ اقطاع یا احیاء الأرض (مردہ زمین کو آباد کرنا) خلیفۂ وقت کی اجازت سے ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔

وقد كان ابو حنيفة يقول: من أحيا أرضًا مواتا بغير إذن الإمام فليست له، وللإمام ان يخرجها من يده ويصنع فيها ما رأى من الإقطاع والاجارة وغير ذلك ٢ے

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے (جس کسی نے موات زمین خلیفہ کی اجازت کے بغیر آباد کی وہ اس کی نہیں ہوجائے گی، اور خلیفہ کو اختیار ہوگا کہ وہ (اگر چاہے تو وہ) زمین اس کے قبضہ سے نکال کر اس میں جو کرنا چاہے کرسکتا ہے، وہ کسی کو وہ زمین بطور اقطاع دے سکتا ہے اور اجارہ وغیرہ پر بھی دے سکتا ہے۔

باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک بنجر زمین کی آبادکاری میں امام کی اجازت شرط نہیں مگر مصالح عامہ کی رو سے ابوحنیفہؒ کی یہ شرط قرینِ مصلحت اور قانونی تقاضوں کے مطابق ہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ نے اپنے عظیم اُستاد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فتویٰ کے حق میں دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"آپ کا یہ ارشاد کہ مردہ زمین کی آبادکاری خلیفہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگی، درست ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ دو شخص مردہ زمین کے کسی ایک ہی قطعہ کو آباد کرنا چاہتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو ایسا کرنے سے منع کرتا ہے۔ ان میں سے آپ کس کو زیادہ حقدار ٹھہرائیں گے؟ یا ایک شخص کوئی ایسی زمین آباد کرنا چاہتا ہے

لے ابویوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۱۳۷۔

٢ے ابویوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۱۳۷۔

جو کسی دوسرے کے گھر کے صحن کے ساتھ واقع ہے اور وہ اُسے یہ کہہ کر آباد کرنے سے منع کرتا ہے کہ اس سے اُس (گھر والے) کو نقصان ہوتا ہے (ان صورتوں میں جو تنازعات پیدا ہوتے ہیں) امام ابو حنیفہؒ نے لوگوں میں فیصلہ کرنے کے لیے خلیفہ کی اجازت کو شرط بنا دیا ہے۔[1]

۴۔ اقطاع یا احیاء الموات میں یہ شرط ہے کہ جس شخص نے مردہ زمین کو احاطہ کر کے آباد کیا یا جسے وہ آبادکاری کی غرض سے دی گئی مگر اُس نے اُسے تین سال تک بے کار رو کے رکھا جس سے اقطاع اور احیاء الموات کا مقصد ۔ زمین کی آبادکاری ۔ فوت ہوگیا۔ تو یہ زمین اُس شخص کے قبضہ سے نکال کر بحق سرکار رکھی جائے گی یا کسی دوسرے شخص کو آبادکاری کی شرط پر دیدے گی۔ اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

عادی الأرض للہ وللرسول، ثم لکم من بعد۔ فمن احیا ارضًا میتتا فھی لہ، ولیس لمحتجر حق بعد ثلاث[2]

ترجمہ: (غیر مملوکہ) افتادہ زمین اللہ کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اسلامی ریاست) کی ہے، پھر ان کے بعد تمہارے لیے ہے۔ جس شخص نے مردہ زمین کو زندہ (آباد) کر لیا وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔ مگر بے کار اور بے کاشت رو کے رکھنے والے کا حق تین سال کے بعد ساقط ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکالمہ بڑا دلچسپ ہے، روایات میں آتا ہے کہ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معادن قبلیہ کے درمیان کی بنجر زمین آبادکاری کے لیے بطور جاگیر عنایت فرمائی۔ یہ بہت بڑا مربعہ تھا جسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کاشت نہ کر سکے اور اس کا بڑا حصہ بے کاشت پڑا رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: نبی کریم صلی اللہ

---

[1] ابو یوسف: ص ۱۳۸ -

[2] حوالہ، ص ۱۳۹ - ۱۴۰

علیہ وسلم نے آپ کو ایک بڑا قطع زمین بطور جاگیر عنایت فرمایا۔ مگر آپ اُسے کما حقہ کاشت نہیں کرسکے اور بڑا حصہ بیکار پڑا ہے۔ لہٰذا آپ جتنا حصہ آباد کرسکتے ہیں اپنے پاس رکھیں باقی زمین خلافت کو واپس کر دیں تاکہ ضرورت مندوں کو دی جاسکے۔

فقال (بلالؓ): لا أفعل واللہ شیئا اقطعنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقال عمر: واللہ لتفعلنّ فاخذ منہ فاعجز عن عمارتہ فقسمہ بین المسلمین[1]

ترجمہ: حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کریم کی قسم! میں تو اس میں ہرگز کوئی شئے نہ دوں گا، یہ جاگیر تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت کردہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کریم کی قسم! تجھ کو یہی کرنا ہوگا۔[1] اور وہ جس قدر زمین کو آباد کرنے سے عاجز تھے وہ واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔

۵۔ مردہ زمین کو آباد کرنے یا جاگیر دینے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ کنویں، باولی، تالاب، چشمہ وغیرہ کی حریم نہ ہو۔ جنگل میں کنویں، باولی، چشمہ اور آبادی کے قریب تالاب وغیرہ کی ضروریات اور اُن کی حفاظت کے لیے چاروں طرف جو جگہ چھوڑی جاتی ہے اس کو حریم یا باڑہ کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی رو سے حریم کے مسائل یوں ہیں:

۱۔ جو کنویں چوپایوں کے پانی پلانے، پینے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان کے چہار جانب چالیس (۴۰) گز زمین چھوڑی جائے۔

۲۔ جو کنویں زراعت کی آبپاشی کی غرض سے بنائے گئے ہیں اُن کی حریم ساٹھ گز مربع زمین ہے۔

۳۔ چشموں کے لیے حریم پانسو گز مربع ہے[3]

---

[1] ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، باب احیاء الارضین واحتجارہا، ص ۲۶۷ - ۲۶۸۔

[2] برہان الدین مرغینانی: الہدایہ، کتاب احیاء الموات۔ ابو یوسف: کتاب الخراج، باب الحریم فی المفاوز، ص ۲۱۳ - ۲۱۴۔

[3] عالمگیر: الفتاوی الہندیہ، مطبع میمنیہ، قاہرہ، ۱۳۲۳ھ، کتاب احیاء الموات۔

بنجر زمین کی آباد کاری کا دوسرا طریقہ بنجر زمین کی آباد کاری کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست ایسی زمینوں کو اپنے قبضہ میں رکھے اور انہیں خود کاشت کرائے۔ یہ زمینیں اسلامی ریاست ہی کی ملکیت میں رہیں گی اور حکومت ان پر لگان مقرر کر کے وصول کرے گی جو زراعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ سرکاری خزانہ (بیت المال) کی آمدن (اور اس میں اضافہ) کا ذریعہ بنے گا۔

سرکاری زمینوں کے فقہی احکام

۱۔ اگر یہ زمین ذمی کو کاشت کرنے کے لیے دی گئی تو اس سے خراج وصول کیا جائے گا۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے[۱]

۲۔ اگر یہ زمین کسی مسلمان کو کھیتی باڑی کے لیے دی گئی تو حضرت امام ابو یوسفؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اگر وہ زمین عشری زمینوں سے ہوتی ہے تو اس سے عشر وصول کیا جائے گا اور اگر خراجی زمینوں سے ملحق ہے تو اس پر خراج کے قوانین کا اطلاق ہوگا۔

امام محمدؒ کے نزدیک اگر یہ زمین عشری زمینوں کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو اس سے عشر وصول کیا جائے گا اور خراجی زمینوں کے پانی سے سیراب کی جاتی ہے تو اس سے خراج لیا جائے گا۔

ب۔ وسائل آب پاشی کی توسیع و ترقی

زراعت کی ترقی کا اگر کلیتہً دار و مدار آبپاشی کے وسائل پر تسلیم کر لیا جائے تو اس میں کسی قسم کا مبالغہ نہ ہوگا۔ دراصل اللہ کریم نے پانی ہی کو ہر شئے (انسان حیوان وغیرہ) کی زندگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ زراعت کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وسائل آبپاشی کو ترقی و توسیع دی جائے تاکہ دور افتادہ اور بنجر زمینوں کو سیراب کر کے قابلِ کاشت بنایا جائے۔

---

[۱] عالمگیر: الفتاوی الهندیہ، میمنیہ، قاہرہ، ۱۳۲۳ھ کتاب احیاء الموات

اسلام کے اقتصادی نظام نے وسائل آبپاشی کے بہتر استعمال اور اُن کی توسیع و ترقی کے لیے چند اصول وضوابط ترتیب دیے ہیں جن کا مختصراً ذکر یہاں کیا جاتا ہے ۔

(۱) اگر کوئی کنواں، تالاب، نالہ، چشمہ وغیرہ کسی فرد کی ذاتی ملکیت نہ ہو تو اس سے آبپاشی کا حق تمام انسانوں کے لیے یکساں ہوگا گویا کہ وہ تمام انسانوں کی مشترک ملکیت ہیں جنہیں نہ کوئی فرد بذریعہ قوتِ بازو یا سرکاری عطیہ ۔ اپنی ذاتی ملکیت بنا سکتا ہے، نہ ہی کسی کو ان سے استفادہ کرنے سے روک سکتا ہے ۔

اس دفعہ کی تشریح کے لیے امام سرخسیؒ کا بیان قابل توجہ ہے :

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمام مسلمان تین اشیاء پانی، گھاس اور آگ میں برابر کے شریک ہیں ۔ دوسری روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : تمام انسان ان تینوں چیزوں میں برابر حصہ دار ہیں (یہ روایت پہلی روایت کے مقابلہ میں عام ہے کیونکہ اس میں مسلمان اور کافر سب کی شرکت کا اعلان ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام انسان ان اشیاء میں برابر کے حصہ دار ہیں (کیونکہ یہ اُن کی بنیادی ضروریات زندگی سے متعلق ہیں) ۔ جہاں تک پانی کا تعلق ہے تو یہ شرکت وادیوں کے پانی اور دریاؤں مثلاً سیحون، جیحون، فرات، دجلہ، نیل وغیرہ کے پانیوں میں ہے اس لیے کہ ان سے فائدہ اُٹھانا ایسا ہے جیسے سُورج کی تپش اور ہوا سے فائدہ حاصل کرنا ہے کیونکہ اس میں تمام دنیا کے انسان برابر کے شریک ہیں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس افادہ سے دوسرے کو منع کر دے ۔ یا اس کی مثال راستہ یا شارع عام کی سی ہے جس پہ مسلم و کافر سب کو چلنے کا برابر کا حق ہے اور یہاں لفظ شرکت سے مراد اباحۃ (اجازت) اور انتفاع (نفع اُٹھانے) میں تمام انسانوں کا برابر ہونا مراد ہے لیکن انتفاع کی اس انسانی مساوات کا مطلب یہ نہیں کہ وہ (پانی) ان میں سے کسی کی مِلک بن جائے گا کیونکہ وادیوں اور دریاؤں میں پانی کسی کی بھی ملکیت نہیں ہوتا"[۱]

---

[۱] سرخسی، شمس الدین : المبسوط، مطبع السعادۃ، قاہرۃ، ۱۳۳۱ھ، جلد ۱۲، ص ۱۶۴ ۔

برہان الدین مرغینانیؒ نے اس دفعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ۔
"جاننا چاہیے کہ پانی کی کئی قسمیں ہیں ۔ جن میں سے ایک سمندروں کا پانی ہے ۔ ہر ایک انسان اس میں پینے کا اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق رکھتا ہے ۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس میں سے نہر نکال کر اپنی زمین تک لے جانا چاہے تو کوئی اُسے منع کرنے کا مجاز نہیں ہوگا ۔ دراصل سمندر کے پانی سے انتفاع کرنا ایسا ہے جیسے سورج (کی تپش)، چاند (کی چاندنی) اور ہوا (کی خنکی، ٹھنڈک اور تیزی) سے استفادہ کرنا ہے اور کسی بھی شخص کو کسی وجہ سے اس سے منع نہیں کیا جا سکتا ۔ پانی کی دوسری قسم بڑے بڑے دریاؤں کا پانی ہے مثلاً جیحون، سیحون، دجلہ اور فرات وغیرہ کا پانی اس پانی سے تمام لوگوں کو پینے کا حق ہے اور اگر زمین کو سیراب کرنے کا بھی بشرطیکہ وہ مردہ زمین کو آباد کرے اور اس کی سیراب کے لیے نہر نکالے مگر اس سے عام لوگوں کا نقصان نہ ہو....[1]

ان دونوں فقہاء اسلام کی رائے سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں زمین کی آبپاشی کی کس قدر اہمیت ہے کہ اسلام نے پانی کو ایک عام اور مشترک دولت قرار دیا جس سے تمام انسان بلا تمیز مسلم و کافر مستفید ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے استعمال سے دوسروں کے لیے ضرر اور خسارہ کا موجب نہ بنیں ۔

(۲) آبپاشی کی غرض سے اسلام نہ صرف کسی فرد کو ذاتی نہر، دریا یا سمندر سے نکالنے کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا اور کسی دوسرے شخص کو مالک نہر کی اجازت کے بغیر اپنے کھیتوں کو سیراب کرنے کی اجازت نہیں دیتا البتہ اجازت سے ایسا کر سکتا ہے اور مالک نہر سے بھی توقع کی جاتی ہے کہ انسانی ہمدردی کے تحت ایسا کرنے کی اجازت دے گا ۔ گویا اس اجازت کی شرط لگا کر اسلام کا نظام معاشیات زمیندار کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ آبپاشی کے لیے اپنی ذاتی نہر تیار کرے تاکہ زمینیں زیادہ سے زیادہ سیراب ہوں اور آباد ہوں ۔ اس دفعہ کے لیے امام مرغینانی کی رائے ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں :

---

[1] المرغینانی، برہان الدین، الہدایہ، کتاب احیاء الموات، فصل فی المیاہ

"جب (سمندر یا دریا کا) پانی ذاتی نہروں میں داخل کر لیا جاتا ہے تو اس میں ہر انسان کو پینے اور جانوروں کو پلانے کا حق تو ثابت رہے گا اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام انسان تین اشیاء میں مشترک ملکیت رکھتے ہیں : پانی، گھاس اور آگ"... ...... اور اگر کوئی شخص اس سے اپنی اُس مردہ زمین کو سیراب کرنا چاہے جسے وہ آباد کرنا چاہتا ہے۔ تو نہر کا مالک (یا مالکان) اُسے ایسا کرنے سے منع کر سکتا ہے (کر سکتے ہیں) خواہ انھیں اس کے عمل سے نقصان ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ اُن کا خاص حق ہے۔[1]

حضرت امام ابو یوسفؒ کا فیصلہ پڑھیں :

وله ان یمنع السقی الارض والزرع والنخل والشجر ولیس لأحد یسقی شیئًا من ذٰلك إلا باذنه فان اذن له فلا بأس به بذلك فان باعه ذٰلك لم یجز البیع[2]

ترجمہ : اور ذاتی نہر کے مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ (دوسرے لوگوں کو) زمین، کھیتی باڑی، کھجوروں کے باغ اور دیگر درختوں کی آبپاشی سے روک دے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس سے آبپاشی کرے البتہ اگر اس کی اجازت سے سیراب کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر مالک نہر (اس کا ضرورت سے زائد) پانی بیچنا چاہے تو یہ جائز نہ ہوگا۔

گو ذاتی نہر کے مالک کو اپنی نہر سے پانی کے استعمال کا مکمل حق حاصل ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس سے اپنی زمین یا باغ سیراب نہیں کر سکتا۔ مگر اسلام نے اُس کے ضرورت سے زائد پانی کو فروخت کرنے کو ناپسندیدہ قرار دے کر اس کی نہر کے فاضل (زائد) پانی سے دوسروں کو اپنی زمینیں سیراب کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ اس قانونی دفعہ کی تائید میں حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک عبرت آموز گرامی نامہ نقل کیا ہے آپ بھی پڑھیے :

---

[1] حوالہ بالا

[2] ابو یوسف : کتاب الخراج، حوالہ بالا، ص

ان کے خادم نے انھیں خط لکھا : میں نے آپ کی زمینوں کی آبپاشی اور باغوں کی سیرابی کے بعد باقی پانی کا سودا تیس ہزار (۳۰۰۰۰) درہم میں دوسروں سے کر لیا ہے اور آپ کی اجازت کا طالب ہوں"

آپ نے جواب میں تحریر فرمایا :

"فقد جاء نی کتابك وفهمت ما کتبت به إلیّ، وإنی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "من منع من فضل ماء لیمنع به فضل الکلاء، منعه الله فضله یوم القیامة". فاذا جاء کتابی هذا فاسق زرعك ونخلك واصلك، وما فضل فاسق جیرانك الأقرب فالأقرب۔ والسّلام[1]

ترجمہ : مجھے تمہارا خط مل گیا ہے اور جو تم نے مجھے لکھا اس کا مقصد میں نے سمجھ لیا ہے۔ مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا : جس نے ضرورت سے زائد پانی کو روکے رکھا تاکہ اس کے ذریعہ سے ضرورت سے زائد گھاس کو بھی روک سکے (یعنی پانی کی مثال بنا کر) اللہ کریم قیامت کے روز اپنا فضل اس سے روک لیں گے۔ لہٰذا جب تمھیں میرا یہ خط ملے تو پانی سے اپنی کھیتی اور کھجوروں کے باغ اور زمین کو سیراب کر لینا اور جو پانی بچ جائے اُس سے اپنے ہمسایوں کی زمینوں کو سیراب ہونے دینا اور اس میں درجہ بدرجہ ہمسائیگی کا خیال رکھنا۔ والسّلام

(۳) اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ اپنی زمینوں کی سیرابی اور اُن سے بہتر فصلیں حاصل کرنے کے لیے نہریں سرکاری خرچ پر کھدوائے اور جاری کرائے۔ اس سے نہ صرف رعایا خوش حال ہو گی بلکہ تمام زمینوں کے آباد ہونے سے ملک بھی ترقی کرے گا اور اندرون و بیرون ملک اس کی ساکھ میں اضافہ ہوگا۔ البتہ اگر سرکاری خزانہ اتنے اخراجات کا بار نہ برداشت کر سکے تو اہلِ ثروت و اغنیاء کو خلیفہ مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں اسلامی ریاست کا تعاون کریں۔ اس دفعہ کی تائید میں حضرت امام ابو یوسف کا ارشاد یہ ہے :

---

[1] ابو یوسف : کتاب الخراج ، ص ۲۰۷

"وعلى الإمام كرى هذا النهر الاعظم لعامة المسلمين إن احتاج إلى كريِ، وعليه أن يصلح مسنياته إن خيف منه" [1]

ترجمہ: اور امام کے لیے لازم ہے کہ ایسی بڑی بڑی نہریں عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے کھدوائے، اگر عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے ان کی کھدوائی کی ضرورت ہو۔ اور اس کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس بڑی نہر کے ناکوں کی اصلاح کرائے اگر ان سے کوئی خطرہ ہو۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس بارے میں بڑی جامع رائے دی ہے۔ پڑھیے۔

"اور اگر نہریں حکومت کی جانب سے کھودی جارہی ہیں تو اُن کا تمام خرچ بیت المال (سرکاری خزانہ) کے ذمہ ہے، اس لیے یہ نہریں مصالح عامہ کے لیے ہیں۔ لہٰذا ان کے اخراجات کا بار کسی خاص جماعت پر نہیں ڈالا جاسکتا۔ اگر بیت المال میں نقد یا مال موجود ہے تو وہ اسی قسم کے مصالح کے لیے ہے اگر بیت المال میں اتنی گنجائش نہیں تو خلیفہ لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ نہروں کی کھدائی میں خرچ کے ذمہ دار ہوں گے کیونکہ بیت المال میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اگر نہروں کی کھدائی کا کام رکا رہا تو یہ لوگوں کے لیے بہت بڑے نقصان کا موجب ہوگا۔ اور یہ ایسا بہت ہی کم واقع ہوتا ہے کہ لوگ مصالح عامہ پر خرچ کرنے کے لیے بخوشی تیار ہو جائیں اور خلیفہ چونکہ مصالح عامہ کا نگران ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کار خیر کی تکمیل کے لیے جبر کرنے کا مجاز ہے" [2]

اس مختصر بحث سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں زراعت کی ترقی کے لیے وسائل آبپاشی کی تاریخ و ترقی کی کس قدر اہمیت ہے اور اسلام نے اسلامی ریاست اور رعایا کو اس بارے میں کس قدر ذمہ داری سونپی ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام کی تاریخ بتاتی

---

[1] حوالہ بالا ص ۲۰۹

[2] سرخسیؒ: المبسوط (۱۳۳۱ھ) ج ۲۳، ص ۱۷۸۔

ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر اسلامی خلفاء نے نہروں کی کھدائی کا کام کس اہتمام سے کیا۔ اس فلاحی کام کا صحیح آغاز امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا جب نہریں کھودی گئیں، بند تعمیر کیے گئے، تالاب اور چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئیں۔ اس سلسلہ میں بصرہ کی نہر ابو موسیٰ (جو حضرت موسیٰ اشعریؓ نے دجلہ سے کاٹ کر بنائی)، کوفہ کی نہر سعد (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھدوائی) اور مصر کی نہر امیر المؤمنین قابل ذکر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد نہر تار، نہر دلبیس، نہر اساورہ، نہر عمرو، نہر حرب وغیرہ اور اس قسم کی دیگر نہریں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، جاری کی گئیں، جن کا ذکر کتب تاریخ میں بھی ہے [1]

ج ۔ لگان و مالگذاری میں تخفیف

آئیے پہلے لگان اور مالگذاری کا مفہوم سمجھ لیں۔ لگان اور مالگذاری گو اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہیں مگر ان کے اصطلاحی معانی میں فرق ہے۔ فرق یہ ہے اگر کاشتکار خود زمین کا مالک ہے تو جو ٹیکس وہ حکومت کو دے گا وہ مالگذاری کہلاتا ہے اور اسی طرح اگر حکومت اور کاشتکار کے درمیان زمیندار ہے تو جو ٹیکس حکومت زمیندار سے لیتی ہے وہ بھی مالگذاری کہلائے گا، اور زمیندار اپنی زمین کی کاشت کے عوض جو حصہ یا محصول کاشتکار سے لیتا ہے۔ وہ لگان ہے مختصراً زمیندار جو کچھ کاشتکار سے اپنی زمین کی کاشت کے عوض لیتا ہے وہ لگان ہے اور جو ٹیکس حکومت زمیندار سے لیتی ہے وہ مالگذاری ہے خواہ زمیندار اپنی زمین خود کاشت کرے یا کسی دوسرے شخص سے کاشت کرائے لگان اور مالگذاری میں ایک اور طریقہ سے بھی فرق کیا گیا ہے۔ اگر حکومت یا کوئی جماعت یا کوئی فرد اپنی زمین کاشتکار کو ایک مقررہ شرح حصہ پر کاشت کے لیے دے کر جو محصول یا حصہ وصول کرے وہ لگان ہے اور اگر حکومت زمین پر سالانہ محصول مقرر کر کے زمیندار سے وصول کرے تو اس کو مالگذاری کہتے ہیں [2]

---

[1] بلاذری، ابوالحسن: فتوح البلدان، ازہر پریس، قاہرہ، ۱۹۳۲ء، ص ۳۵۲ - ۳۵۳ -

[2] مولانا محمد حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام (۱۹۵۹)، ص ۱۷۴

لگان یا مالگذاری کو زراعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے اور اس کی کمی یا زیادتی زمیندار یا کاشتکار کے جذبہ کاشتکاری کو متاثر کرتی ہے۔ اگر ایک غریب کسان کو اتنا لگان ادا کرنا پڑے جو اس کی محنت سے پیدا کردہ فصل کا اکثر حصہ بے جائے تو وہ نہ صرف معاشی پریشانی کا شکار ہوگا بلکہ اس کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی اور اگر اسے لگان میں چھوٹ دی جائے یا اس کی شرح عادلانہ مقرر کر دی جائے تو وہ کھیتی باڑی کے کام میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لے گا اور نتیجۃً زراعت کی ترقی کی راہیں کھلیں گی۔ بالخصوص بنجر زمینوں کو آباد کرانے کے لیے اگر کاشتکار یا مالک زمین کو دو تین سالوں کا لگان یا مالگذاری معاف کر دیا جائے تو یہ زراعت کی ترقی کے لیے مہمیز کا کام دے گا۔

اسلام کے معاشی نظام عدل نے زراعت کے عمل میں زمیندار اور کاشتکار دونوں کی اہمیت کو برابر تسلیم کیا ہے وہ دونوں زراعت کی گاڑی کے دو بیل ہیں جنہوں نے اس گاڑی کو مساوی زور لگا کر اور محنت کر کے چلانا ہے اگر ان میں کا ایک اپنا برابر کا بوجھ دوسرے پر ڈال دے، ایک زیادہ طاقتور اپنے نوکیلے سینگوں سے دوسرے کو مارے اور اپنے تیز سموں سے دوسرے کو لتاڑے تو نتیجہ ظاہر ہے کمزور اپنی جان بچانے کے لیے بھاگے گا یوں جوا بھی ٹوٹ جائے گا اور گاڑی بھی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گی۔ دنیا کے زمیندارانہ نظام میں طاقتور زمیندار نے اپنی طاقت کے زعم میں ہمیشہ کمزور کسان پر ظلم کئے ہیں، اس غریب کی کئی بار عزت نفس سے کھیلا گیا ہے، اس کے حقوق پر غاصبانہ ڈاکہ ڈالا گیا حتیٰ کہ کئی بار اس بے کس و بے بس کو ظالم زمیندار کے ظلم سے بچنے کے لیے کمزور بیل کی طرح اپنے گھر بار سے پناہ کی تلاش میں بھاگ جانا پڑا یہ افسانہ نہیں دنیا کے اس اسٹیج پر روزمرہ کے معمول کے واقعات ہیں۔ کسانوں کے مظلوم طبقہ نے اس ظلم کے خلاف متعدد جدوجہد بھی کی اور دنیا کی اس بساط پر خون ریز انقلابات کے نقوش چھوڑے ہیں، انقلاب روس، انقلاب فرانس اسی صدا کی بازگشت ہیں۔ ان سب کے پیچھے زمیندار طبقہ کا ظلم کام کر رہا تھا جس کی مکروہ ترین صورت لگان کی زیادتی اور بیگار تھی۔

اسلام کے معاشی نظام میں کاشتکار اور زمیندار دونوں برابر ہیں اور زمیندار کو کاشتکار پر کوئی برتری نہیں۔ زراعت کے عمل میں اگر زمیندار زمین دیتا ہے تو کاشتکار محنت کر کے آتا ہے

جو زمیندار کی بنجر زمین کو اپنی محنت کے ذریعے لہلہاتے کھیت میں بدل دیتا ہے تو پھر زمیندار اس پر کیوں برتری کا زعم رکھے اور اس کو نشانہ ستم بنائے؟ اسلام مالک زمین — حکومت ہو یا زمیندار — کو ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ کاشتکار پر لگان کا بوجھ اس کی طاقت اور پیداوار سے زیادہ ڈالے بلکہ اس کے تعین میں عدل کی بجائے احسان کا معاملہ کرے۔ اس سلسلہ کے چند نظائر مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی فتح کے بعد وہاں کی اراضی یہود خیبر کے قبضہ میں مزارعہ کا معاہدہ کر کے رہنے دیں۔ جب پیداوار کی وصولی کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو جو جملے انہوں نے پیداواری حصّہ کی وصولی کے لیے ان سے کہے وہ منصفانہ لگان کے لیے بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ آپ بھی پڑھیں۔

ثم بعث عبد الله بن رواحة رضی الله عنه يقسم بينه و بينهم، فأهدوا اليه، فردّ هديتهم وقال: لن يبعثني النبي۔ صلی الله علیه وسلم۔ لاكل اموالكم۔ انما بعثني لأقسم بينكم و بينه۔ ثم قال: ان شئتم عملت وعالجت وكلت لكم، وان شئتم علمتم وعالجتم وكلتم النصف۔ قالوا بهذا اقامت السموٰت والارض[1]

ترجمہ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ پیداوار کو آپ اور ان (یہود) کے درمیان تقسیم کرآئیں۔ یہود نے انھیں ہدایا پیش کیے، مگر انہوں نے یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے نہیں بھیجا کہ میں تمہارے مال ہڑپ کر لوں بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ تمہارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پیداوار (معاہدہ کے مطابق تقسیم کر دوں اور تم کو پورا اختیار ہے کہ اگر یہ پسند کرتے ہو کہ میں عملداری کر کے اس کا تخمینہ کر دوں اور نصف نصف بانٹ دوں تو میں اس کے لیے تیار ہوں اور اگر تم یہ پسند کرو کہ خود عملداری

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۲۴۔

کرے اور کنکوت کرکے نصف نصف کر دو تو مجھے یہ بھی منظور ہے۔ یہ بات سن کر یہودی کاشتکار پکار اُٹھے : یہی وہ عدل ہے جس کی بدولت زمین و آسمان کا سلسلہ قائم ہے۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو دجلہ کی اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو فرات کے کنارہ کی اراضی پر خراج وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ جب ان دونوں حضرات نے واپس آکر خراج کی ایک بڑی مقدار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کی تو آپ نے مشکوک انداز میں اُن سے دریافت فرمایا :

کیف وضعتما علی الأرض ؟ لعلکما کلفتما أھل عملکما مالا یطیقون ؟ (وفی روایة أخری قال : لعلکما حملتما علی الأرض مالا تطیق ؟) فقال حذیفة : لقد ترکت فضلا. وقال عثمان : لقد ترکت الضعف ولو شئت لأخذته.[1]

ترجمہ : تم نے زمین پر خراج کس مقدار سے مقرر کیا۔ مجھے لگتا ہے کہ تم نے کاشتکاروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا ہے (ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا : شاید تم نے زمین کی حیثیت سے زیادہ بوجھ ڈالا ہے؟) یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : میں نے اُن کے لیے بہت زیادہ چھوڑا ہے اور حضرت عثمان (بن حنیف) رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : میں ان کے پاس دگنا چھوڑ آیا ہوں اور اگر میں چاہتا تو اس میں سے بھی وصول کر سکتا تھا۔

۳۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب عراق کا خراج وصول ہو کر آتا تو عراق کے متمدن شہروں مثلاً کوفہ، بصرہ وغیرہ سے دس دس آدمیوں کا وفد بلاتے اور ان سے چار چار مرتبہ قسم دلا کر پوچھتے کہ کیا اُن پر ظلم کرکے تو خراج وصول نہیں کیا گیا۔ وہ قسم کھا کر یہ شہادت دیتے کہ ان پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی گئی تب کہیں جا کر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو تسلی ہوتی۔

---

[1] حوالہ بالا، ص ۸۸۔

۳-۴ بندوبست کے لیے کوئی خاص وقت مقرر کرنا نہ حکومت کو مفید ہے اور نہ ہی رعایا کو بلکہ حسب موقعہ کاشتکاروں اور مالکان کی سہولت کا لحاظ کر کے کیا جائے۔

۴-۵ - مقررہ لگان کے علاوہ کچھ اور کسی نام سے وصول کرنا صریح ظلم ہے لے

د - کاشتکاروں (مزارعین) کے لیے خصوصی مراعات

ہم زراعت کے شعبہ کی ترقی کے عوامل و عناصر پر بحث کرتے آئے ہیں۔ ہمارا مقصد ان اسباب کا جائزہ لینا تھا جو زراعت کی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ بنجر زمینوں کو آباد کرنا، وسائل آبپاشی کو بہتر بنانا اور کاشتکاروں کو لگان وغیرہ کی سہولت دینا ہی دراصل وہ اسباب ہیں جو زراعت کی ترقی کے اصل عوامل ہیں مگر ان سب کے باوجود زراعت کی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس مظلوم کا دل نہ خوش کیا جائے جو مئی جون کی چلچلاتی دھوپ میں کھیتوں میں ہل چلاتا ہے اور رات کے اندھیروں میں انجانے خطرات کا سامنا کر کے انھیں سیراب کرتا ہے۔ جو سارے ملک کے لیے اناج پیدا کرتا ہے مگر خود خرید کر کھاتا ہے جس کے پیدا کردہ چاول سے امیر اور سرمایہ دار متنجن بنا کر مزے لیتے ہیں مگر وہ چاولوں کا بھت بنا کر کھٹی اور باسی لسی میں ڈال کر کھاتا ہے، جس کی پیدا کردہ روئی کے نقرئی تاروں سے سرمایہ داروں اور زمینداروں کی کوٹھیوں کی دیواروں کو پہنانے کے لیے پردے تیار ہوتے ہیں جبکہ اس کی بیٹی کی اوڑھنی موٹے دھاگوں سے بنی ہوئی ہونے کے باوجود پیوند زدہ ہوتی ہے۔ یہ غریب و بے بس طبقہ ہر دور میں مشق ستم بنا رہا ہے اسلام کے رحیمانہ معاشی نظام نے اس خطہ ارضی پر اسے اپنے صحیح اور سچے دور (عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین رضی) میں زمیندار کے برابر کر کے دکھایا، اس کی تمام پریشانیوں کا علاج کیا اور اس سے ان تمام مظالم کو دور کر دیا جو کاشتکار اور مزارع ہونے کی حیثیت سے اس پر توڑے جاتے تھے مگر اسلامی خلافت نے جب ملوکیت کا بھیس بدل لیا تو ان پر مظالم کی رات اپنی تمام تر تاریکیوں کے ساتھ چھا گئی اور وہ رات آج تک ان پر اندھیر افگن ہے اسلام کے اقتصادی نظام کے وسیع دامن میں آج بھی تابندہ اصول موجود ہیں جن کی روشنی میں ظلم کی اس اندھیری رات کو صبح صادق میں بدلا جا سکتا ہے۔ کاشتکاروں (مزارعین) کے لیے خصوصی مراعات کے

انہیں یہ یقین دھانی بھی کرائی جاتی کہ نہ کسی مسلمان پر ظلم ہوا ہے نہ کسی ذمی پر[1]

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خراج کی وصولی کا طریقہ اس طرح بیان فرمایا:

فلم نحملهم مالا يطيقون ولم ناخذ هم من الخراج الا بما تحتمله ارضهم[2]

ترجمہ: ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ لگان مقرر نہیں کریں گے اور نہ ان کی اراضی کی حیثیت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈالیں گے۔

۵۔ امام ابو یوسف رحؒ نے خراج کے لیے نہایت بلیغ انداز میں دو اصول بیان کئے ہیں:

ا۔ لا يكون فيها حمل على اهل الخراج ولا يكون على السلطان ضرر[3]

ترجمہ: نہ تو خراج اس قدر زیادہ لگایا جائے کہ وہ اہل خراج پر بار بن جائے اور نہ اس قدر کم کہ حکومت ہی کو نقصان پہنچے۔

ب۔ فخذه في رفق وتسكين لاهل الارض۔

ترجمہ: تم خراج اس طرح لو کہ کاشتکار کو اس کے دینے میں آسانی، نرمی اور سکون رہے۔

خراج کی حد

مذکورہ بحث سے یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام کا قانون خراج کاشتکار پر اس کی طاقت اور وسعت سے زیادہ خراج لگانے کو جرم سمجھتا ہے بلکہ وسعت سے بھی کم کی سفارش کرتا ہے۔ اب طاقت و وسعت کی حد کیا ہے۔ فقہاء اسلام کا نقطۂ نظر اس بارے میں یہ ہے۔

ا۔ وقالوا ونهاية الطاقة ان يبلغ الواجب نصف الخارج

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۲۲۸

[2] ایضاً ص ، ۱۸۴

[3] ایضاً ص ، ۱۱۳

لایزاد علیه التنصیف عین الانصاف [1]

ترجمہ: فقہاء فرماتے ہیں: اور طاقت و برداشت کی آخری حد یہ ہے کہ خراج پیداوار سے نصف ہو اور اس سے بڑھانا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ نصف نصف کرنا ہی انصاف ہے۔

٢۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مقدار خراج مقرر کی تھی اُس سے بڑھانا جائز نہیں ان کی رائے ہے

واما اذا اراد الامام توظیف الخراج علی ارض ابتداء وزاد علی وظیفۃ عمر رضی اللہ عنہ فانہ لایجوز (عند ابی حنیفۃؒ) وھو الصحیح لان عمر رضی اللہ عنہ لم یزد لما اخبر بزیادۃ الطاقۃ [2]

ترجمہ: لیکن جب امام کسی زمین پر ابتداء میں لگان لگانا شروع کرے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقدار سے زیادہ لگانا جائز نہیں ہے۔ اور درست بھی یہی ہے کیونکہ اہل خراج کے زیادہ طاقت رکھنے کی خبر ملنے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خراج کی مقدار نہ بڑھائی۔

حضرت عمر کی مقرر کردہ حد خراج

مسلمان فقہاء کرام اور ماہرین اقتصادیات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ خراج کو بطور نمونہ اور قانون تسلیم کیا ہے۔ اور اپنی کتب میں اس کی تفاصیل بیان کی ہیں جن کا مفصل ذکر مقالہ کو بے جا طوالت دینے کے مترادف ہوگا البتہ چند حقائق کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قائم کردہ نظام خراج بعد کے اسلامی خلفاء کے عہد میں

---

[1] ابن نجیم، زین العابدین: البحر الرائق شرح کنز الدقائق، مطبع دار الکتب العربیۃ، قاہرۃ، ١٣٢٤ھ، ص ١١٦۔

[2] ایضاً، ص ١١٧۔

کام کرتا رہا ۔ یہ نظام تخفیف لگان" سے متعلق عملی شہادت کی سند رکھتا ہے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ۔ جو پیمائش کے ماہر تھے کو عراق کی تمام قابل کاشت زمین کی پیمائش کرنے کا حکم دیا ۔ انہوں نے پہاڑ، جنگلات، نہروں تالابوں اور دریاؤں وغیرہا کو نکال کر قابل کاشت زمین کا کل رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب قرار دیا ۔ اس میں سے شاہی جاگیروں ۔ آتش کدوں کے اوقاف ، لاوارثوں ، مفروروں اور باغیوں کی جائیداد ، دریا برد زمینوں ، شاہراہوں ، ڈاک کے مصارف کی زمینوں اور جنگل کو "خالصہ" قرار دے کر رفاہ عام کے لیے وقف کر دیا ، جس کا تخمینہ ستر لاکھ درہم سالانہ ہوتا تھا اور باقی زمینیں ان کے مالکان کی ملک تسلیم کرکے ان پر لگان مقرر کر دیا [1]

آپؓ نے گیہوں پر فی جریب ۲ درہم ، جو پر فی جریب ۱ درہم ، گنے پر فی جریب ۶ درہم ، کپاس پر فی جریب ۵ درہم ، انگور پر فی جریب ۱۰ درہم ، کھجور پر فی جریب ۱۰ درہم ، تل پر فی جریب ۸ درہم اور سبزیات پر فی جریب ۳ درہم مقرر کر دیے [2] البتہ اچھی زمینوں کی عمدہ پیداوار پر کہیں کہیں گیہوں پر فی جریب چار درہم اور جو پر دو درہم لگان مقرر فرمایا ۔ اس انتہائی نرمی کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق کا خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ (تقریباً دو کروڑ پندرہ لاکھ روپیہ) وصول ہوتا تھا [3] مصر ۔ جسے تحفہ نیل کہا جاتا ہے ۔ کی زمینوں کی پیداوار نیل کی طغیانی اور رقبوں کی سیرابی اور عدم طغیانی اور رقبوں کی خشکی کی وجہ سے یکساں نہیں رہتی تھی لہٰذا یہاں خراج ہر فصل پر وہاں کے ماہرین ، مقامی زمینداروں اور کاشتکاروں کے مشورہ سے مقرر کیا جاتا تھا ، پھر بھی عدل فاروقی کو اطمینان نہ ہوتا کہ کہیں وصولی کرنے والے زیادتی تو نہیں کر کے لائے ۔ آپ ان سے قسمیں لیتے تھے [4]

---

[1] مولانا محمد حفظ الرحمان : اسلام کا اقتصادی نظام (۱۹۵۹ء) ، ص ۱۸۲

[2] آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے بنیادی ضروریات سے متعلق اناج کی پیداوار پر کم خراج مقرر کیا

[3] ابو یوسف : کتاب الخراج ، ص ۹۱

[4] ایضاً ، ص ۲۲۶ - ۲۲۷ -

حضرت عمرؓ کی خراجی اصلاحات

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شام، عراق، ایران اور مصر کی فتوحات کے بعد جو نظام خراج مقرر کیا اس کے ذریعے ان تمام ظالمانہ طریقوں کو یک قلم ختم کرایا جن کے ذریعے ظالم زمیندار اور حکومتیں غریب کسانوں اور کاشتکاروں کا معاشی استحصال کرتی تھیں اور یوں عدل فاروقی نے ظلم کی تمام صورتوں کو محو کر دیا جن کے ذریعے اس مظلوم طبقہ پر زیادتیاں کی جاتی تھیں۔ فتوحات فاروقی سے قبل شام، عراق، ایران اور مصر کا خراجی نظام تقریباً ایک ہی جیسی زیادتیوں اور بے ضابطگیوں کا مجموعہ تھا۔ اس ظالمانہ نظام خراج کی چند مشترکہ خامیاں یہ ہیں :

۱۔ خراج، نقد اور پیداوار دونوں صورتوں میں لیا جا سکتا تھا۔

۲۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع بندی کی تشخیص کی جاتی۔

۳۔ بندوبست چار سالہ ہوتا۔

۴۔ خراج مالگذاری یا لگان کے علاوہ غلہ کی بہت بڑی مقدار بادشاہ یا حاکم کے لیے وصول کی جاتی۔

۵۔ فوج کی رسد کے لیے غلہ انہی غریب کسانوں سے لیا جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچ استحصالی اصولیوں کو عادلانہ اصول میں میں یوں بدل دیا۔

۱۔ خراج نقد و پیداوار دونوں صورتوں میں لیا جا سکتا ہے مگر اس میں لگان ادا کرنے والے کی سہولت کا خیال رکھا جائے گا۔

۲۔ تشخیص کا مذکورہ بالا طریقہ مقرر کرنا اور چند سالوں کا اوسط نکال کر جمع کرنا کاشتکاروں کی معاشرتی زندگی کے اعتبار سے سخت ظلم ہے اس کی بجائے تشخیص لگان زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت کو سامنے رکھ کر فریقین (کاشتکار اور مالک زمین) کی باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے۔

تحت اسلام کے مایہ ناز مفکر مولانا حفظ الرحمٰن نے ان تمام مظالم کا ذکر کیا ہے جو کاشتکاروں پر قبل از اسلام اور بعد از خلافت راشدہ کیے گئے اور آج بھی کیے جاتے ہیں اور ان کا اسلامی متبادل بھی بیان کیا ہے۔ ہم یہاں ان کا خلاصہ نقل کر رہے ہیں، البتہ ان میں بیان کردہ حوالہ جات کو ان کی اصل کتب سے نقل کریں گے۔

(۱) ایران و روم کے بادشاہوں کا ایک ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ وہ مزارعین (کاشتکاروں) کو اپنا غلام اور محکوم سمجھ کر لگان یا مالگذاری کی وصولی میں اُن پر بے جا تشدد اور سختیاں کرتے تھے، قید و بند کی صعوبتیں دیتے۔ ان کے نقش قدم پر چل کر ان کے جاگیردار اور زمیندار بھی اس طبقہ پر وحشیانہ سختیاں کرتے اور سزائیں دیتے۔

(۱) اسلام کے رحیمانہ اقتصادی نظام نے کاشتکار اور زمیندار کو زراعت کے دو برابر کے بازو کہہ کر انھیں زمینداروں کے برابر کا درجہ دیا اور یوں ان پر کیے جاتے والے تمام مظالم کی جڑ ہی کاٹ دی۔ اب نہ تو حکومت یا زمیندار انھیں خراج یا لگان یا مالگذاری وغیرہ کی وصولی کے لیے بے جا قید کر سکتا ہے نہ ان پر تشدد کر سکتا ہے۔ اسلام نے اس کمزور طبقہ کی عزت نفس کا یہاں تک خیال رکھا ہے کہ اگر وہ کسی شرعی عذر کی بنا پر لگان بر وقت ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو انھیں مہلت دی جائے تاکہ وہ جب وسعت محسوس کریں اپنا لگان ادا کر دیں۔ اس سلسلہ میں چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے اپنے دورہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راہ میں کیا دیکھتے ہیں کہ چند آدمیوں کو سورج کی دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ آپ نے وجہ دریافت فرمائی تو بتایا گیا کہ عذر کی بنا پر جزیہ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے انھیں سزا دی جا رہی ہے۔ آپ نے اپنے عاملین کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کی اور ظالمانہ روش سے باز رہنے کے لیے فرمایا:

"دعوهم۔ لا تكلفوهم ما لا يطيقون۔ فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لا تعذبوا الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة"۔ وامر بهم فخلي سبيلهم[1]

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۲۵۷۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۴۵۔

ترجمہ: انھیں چھوڑ دو ان کی طاقت سے زیادہ انھیں تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔ لوگوں کو عذاب میں نہ ڈالو اس لیے کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب میں ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُنھیں عذاب میں مبتلا کرے گا" پھر آپ نے حکم دے کر انھیں خلاصی دلوائی۔

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن جُبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار جزیہ کا بہت سا مال لایا گیا۔ آپ کو اتنی بڑی رقم دیکھ کر شک گذرا تو آپ نے اپنے ٹیکس کلکٹروں سے دریافت فرمایا:

"أني لأظنكم قد اهلكتم الناس. قالوا: لا۔ والله ما أخذنا الاعفوا صفوا۔ قال: فلا سوط ولا نوط۔ قالوا: نعم۔ قال الحمد لله الذی لم یجعل ذٰلك علی یدی ولا فی سلطانی[1]

ترجمہ: مجھے یہ شک گذر رہا ہے کہ تم نے لوگوں کو برباد کر کے یہ جمع کیا ہے۔ عاملوں نے عرض کیا: نہیں، اللہ کریم کی قسم! ایسا نہیں ہوا بلکہ ہم نے تو ان کی حاجات سے فاضل میں سے اُن کی رضامندی سے وصول کیا ہے۔ (مگر آپ کو ان کے جواب سے اطمینان نہ ہوا تو دوبارہ دریافت فرمایا)۔ کیا بغیر مار پیٹ اور لٹکا کر مارنے والی سزاؤں کے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں۔ تب آپ نے امتنان و تشکر کے جذبات سے لبریز ہو کر فرمایا: اُس کریم اللہ کا بے انداز شکر ہے جس نے میرے ہاتھوں ایسے کام نہیں کرائے اور نہ ہی میرے زمانہ خلافت میں اس قسم کے مظالم ہو سکے۔

۳۔ ایک دفعہ شام کے گورنر حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے خراج کی وصولی بھیجنے میں تاخیر کر دی، جب یہ دربارِ خلافت میں آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر دُرّہ لے کر چڑھ دوڑے کہ انہوں نے خراج کی ترسیل کیوں تاخیر کر کے حقداروں کو مشکل میں ڈالا۔ حضرت سعید بن

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۴۶۔

عامرؓ نے نہایت تحمل سے جواب دیا۔

امرنا ان لانزید الفلاحین علی أربعة دنانیر فلسنا نزیدهم علی ذٰلك ولکنا نؤخرهم الی غلاتهم۔ فقال عمر رضی الله عنه : لاعزلتك ماحییت [1]

ترجمہ: آپ نے ہمیں (دو ہی باتوں کا) حکم دے رکھا ہے (ایک یہ) کہ کاشتکاروں پر چار دینار سے زیادہ لگان نہ لگائیں لہذا ہم اس کے پوری طرح پابند ہیں (دوسرا یہ کہ ہم لگان کی وصولی میں انھیں ڈھیل دیں لہذا)۔ ان سے وصولی میں اُن کی آمدنی آنے تک تاخیر کرتے ہیں (اسی وجہ سے بیت المال تک لگان کی ترسیل میں تاخیر ہوگئی ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (سن کر) فرمایا: جب تک میں زندہ رہوں گا تجھے معزول نہیں کروں گا۔

آخری جملہ پر دوبارہ غور کیجیئے اور اسلام کے رحیمانہ قانون لگان کے اثرات کا اندازہ لگائیے۔ وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ابھی دُرّہ لے کر بیچارے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی خبر لینے والے تھے اور اُن کے رتبہ کی بھی پرواہ نہیں کی جا رہی تھی جب ان سے سنا کہ لگان کی ترسیل میں تاخیر کی وجہ غریب کاشتکار کی سہولت کا خیال کرنا تھا تو اتنے خوش ہو گئے کہ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سے زندگی بھر کی گورنری کا وعدہ بھی کر گئے۔

۴۔ استعمل علی بن أبی طالب رجلا علی عکبری۔ فقال له علی رؤوس الناس : لاتدعن لهم درهما من الخراج۔ قال: وشدد علیه القول۔ ثم قال له : القنی عند انتصاف النهار۔ فأباه۔ فقال : إنی کنت قد امرتك بامر۔ وانی أتقدم إلیك الان، فان عصیتنی نزعتك۔ لاتبیعن لهم فی خراج حمارا ولا بقرة، ولا کسوة شتاء ولاصیف۔ وارفق بهم وافعل بهم

---

[1] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۴۶۔

وافعل بهم[1]

ترجمہ: حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو علاقہ عکبری کا عامل مقرر کیا اور اُسے لوگوں کے روبرو فرمایا: ان سے خراج کا ایک درہم بھی وصول کیے بغیر نہ چھوڑنا اور سختی کے ساتھ تاکید فرمائی۔ پھر اُس سے فرمایا: نصف دن کے وقت مجھے آکر ملنا۔ وہ حاضر ہوا تو آپ نے (رازدارانہ انداز میں) فرمایا: دیکھو اُس وقت میں نے تمہیں جو کچھ کہا اس کی ایک وجہ تھی۔ لیکن اب میں تمہیں اصل حکم دے رہا ہوں۔ اگر تم نے میری خلاف ورزی کی تو تمہاری سرزنش کروں گا۔ پھر فرمایا: خراج کی وصولی میں ان (میں سے کسی) کا گدھا یا بیل ہرگز نہ بیچنا، نہ ہی ان کے سردی اور گرمی کا لباس فروخت کرنا اور اُن سے نرمی برتنا اور اُن سے ایسے ہی کرنا اور ان سے ایسے ہی کرنا۔

غالباً لوگوں کی موجودگی میں تاکید کرنا اس لیے تھا کہ لوگ خراج کی اہمیت کو کم نہ سمجھیں یا خود بھی ادائیگی اور وصولی میں لیت ولعل سے کام لیں لیکن اصل فرمان تنہائی میں سنانے کا مقصد یہ تھا کہ عامل غریب کاشتکاروں پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرے۔

۵۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے کوفہ کے گورنر حضرت عبدالحمید بن عبدالرحمان کو خراج کی وصولی کے بارے میں ایک مفصل ہدایت نامہ[2] تحریر فرمایا جو خراج کے قوانین پر مشتمل تھا، جس میں درج تھا:

ولا من العامر الا وظیفة الخراج فی رفق وتسکین لاھل الارض۔

ترجمہ: اور آباد زمینوں پر مقررہ خراج سے ہرگز زیادہ نہ لو اور جو بھی وصول کرو اہل زمین سے نرمی اور دلجوئی کے ساتھ وصول کرو۔

---

[1] ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص ۷۹

[2] پورا گرامی نامہ اور اُس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

انہی نظائر کو سامنے رکھ کر امام ابو یوسفؒ نے خراج کی وصولی کے دو سنہری اصول مرتب کیے ہیں:

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں)

سلام عليك - امابعد فان أهل الكوفة قد اصابهم بلاء وشدة وجور فى أحكام وسنن خبيثة سنتها عليهم عمال السوء - وان اقوم الدين العدل والاحسان. فلايكون شئ أهم اليك من نفسك ان توطنها لطاعة الله - فإنه لاقليل من الإثم - وامرتك ان تطرز عليهم أرضهم - وأن لا تحمل خرابا على عامر ولا عامرًا على خراب - ولا تأخذ من الخراب الا ما يطيق، ولا من العامر الا وظيفة الخراج، فى رفق وتسكين لأهل الارض - وأمرتك ان لا تأخذ فى الخراج الا وزن سبعة، ليس لها أس ولا أجور الضرابين ولا اذابة الفضة، ولا هدية النيروز والمهرجان - ولا ثمن المصحف، ولا أجور البيوت، ولا دراهم النكاح - ولا خراج على من أسلم من اهل الارض - فاتبع فى ذلك امرى، فقد وليتك من ذلك ما ولانى الله : ولا تعجل دونى بقطع ولا صلب حتى تراجعنى فيه - وانظر من اراد من الذرية الحج فعجل له مائة يتجهز بها. والسلام عليك - (ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مطبع دار الفکر، قاہرہ ۱۴۰۱ ھ ۱۹۸۱ء ص ۴۸ - ۴۹) -

ترجمہ: تم پر (اللہ کریم کی) سلامتی ہو۔ یقیناً اہل کوفہ آزمائش، سختی اور ظالمانہ احکام کی مشکلات سے گزر چکے ہیں۔ برے حکام نے ان پر برے احکام جاری کیے۔ جان لو عدل اور احسان ہی بہترین راستہ ہیں۔ تیرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شئی اہم نہیں ہونا چاہیے کہ تو اپنے نفس کو اللہ کریم کی اطاعت پر لگا دے اور ایسا نہ کرنا کوئی کم تر درجہ کا گناہ نہیں ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ان کیلیے اُن کی زمین کی پیمائش اور حد بندی کر دے۔ ان کی بنجر زمین کو آباد پر اور آباد زمین کو بنجر پر محمول نہ کرنا۔ بنجر زمین کی پیداوار میں سے اس کی (پیداواری) طاقت سے زیادہ نہ لینا اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

(۱): ولا یضرب رجل فی دراهم خراج، ولا یقام علی رجله، فانه قد بلغنی أنهم یقیمون اهل الخراج فی الشمس ویضربونهم الضرب الشدید ویعلقون علیهم الجرار، ویقیدونهم بما یمنعهم من الصلوٰة ۔ وهذا عظیم عند الله شنیع فی الاسلام [۱]

ترجمہ: کسی بھی شخص کو خراج (لگان) کی وصولی میں ہرگز نہ مارا پیٹا جائے، نہ ایک پاؤں پر اُسے کھڑا کیا جائے۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض کلکٹر اس قسم کی زیادتیاں کرتے ہیں کہ اہلِ خراج کو دھوپ میں کھڑا کر دیتے ہیں اور اُنھیں بری طرح مارتے ہیں اور ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکا دیتے ہیں اور انھیں اس طرح باندھ دیتے ہیں کہ وہ نماز بھی ادا نہ کر سکیں۔ حالانکہ یہ ساری ناشائستہ حرکات اللہ کریم کے ہاں بہت بڑا جرم ہیں اور اسلام کی نگاہ میں بدترین حرکتیں ہیں۔

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ ملاحظہ فرمائیں)

آباد زمین سے اہلِ زمین کی آسانی اور سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے صرف خراج ہی وصول کرنا، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ خراج میں وزن سبعہ (درہم و دینار کی ایک خاص قسم جو عام طور پر رائج تھی) کے علاوہ نہ لینا، کیونکہ ان کے بغیر تو چارہ کار نہیں اور سکہ ڈھالنے والوں کی اجرت بھی نہ لینا اور نہ چاندی پگھلانے کی اُجرت لینا اور نہ نوروز اور مہرجان کے ہدایا (بھینٹ) لینا اور نہ رسید کی لکھائی کی اجرت، نہ نہر کے پانی کی اجرت، نہ مکانوں کی اجرت اور نہ نکاح کا ٹیکس لینا اور اہلِ زمین میں سے جو اسلام قبول کرلیں اُن سے خراج نہ وصول کرنا۔ اس معاملہ میں میرا اتباع کرنا اور (یاد رکھو) میں نے تمہیں انہیں کاموں کی بجاآوری کے لیے گورنر مقرر کیا ہے، جن کاموں کی بجاآوری کے لیے اللہ کریم نے مجھے حاکم بنایا ہے لہٰذا میری رائے معلوم کیے بغیر نہ کسی پر ہاتھ کاٹنے کی سزا جاری کرنا نہ کسی کو سولی چڑھانا۔ دیکھو! اہلِ دیوان کے علاوہ رعایا میں سے جو کوئی حج کا ارادہ کرے اُسے اس (بابرکت سفر) کی تیاری کے لیے سو درہم دے دینا۔ والسلام۔

[۱] امام ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۲۳۱۔

ب - إن العدل وإنصاف المظلوم وتجنب الظلم، مع ما في ذلك من الأجر، يزيد في الخراج، ويكثر عمارة البلاد، والبركة مع العدل تكون، وهي تفقد مع الجور، والخراج بالجور ينقص والبلاد به تخرب[1]

ترجمہ: یقیناً عدل اور مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظلم سے اجتناب ان خیر کے کاموں میں ثواب ہے وہ ہے ہی اس کے علاوہ (معاشی یہ فائدہ ہے کہ) اس سے خراج بڑھتا ہے اور اس سے شہروں کی آبادی میں اضافہ ہوتا ہے اور انصاف کے ساتھ برکت آتی ہے جبکہ ظلم سے برکت مٹ جاتی ہے۔ جو لگان (خراج) ظلم سے وصول کیا جاتا ہے اُس سے برکت گھٹ جاتی ہے اور شہروں میں تباہی و بربادی آتی ہے۔

اس اُصول کا آخری جملہ قابل توجہ ہے کہ شہروں میں تباہی و بربادی آتی ہے، کہیں اس میں اُس تباہی کی خبر تو نہیں جو یہ مظلوم طبقہ اکٹھا ہو کر ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر کے لاتا ہے؟ (واللہ اعلم)

(۲) حکومت کے اہلکار، زمیندار اور وڈیرے اپنے رعایا اور مزارعین سے لگان اور مالگذاری کے علاوہ رواج، رسم خریفانہ (یعنی فصل خریف کا ہدیہ) اور ربیعانہ (فصل ربیع کا ہدیہ) کے نام سے وصول کرتے ہیں اور ان کی وصولی قانونی اور اصولی لگان یا مالگذاری سے زیادہ اپنا حق سمجھ کر وصول کرتے ہیں۔

اسلام کا عادلانہ معاشی نظام ان وصولیوں کو ظلم اور حرام قرار دیتا ہے اور جو استحصالی طبقہ (زمیندار، وڈیرہ اور سرکاری اہل کار) یہ ظلم کرتا ہے وہ اسلام کی نگاہ میں مجرم، چور اور لٹیرا ہے اور وہ بڑی سے بڑی سزا کا حقدار ہے اسلامی معاشیات کے باب مزارعت اور اجارہ میں مقررہ حصہ سے زیادہ لینا جس میں طرفین کی رضامندی نہ شامل ہو حرام ہے اور معاہدہ زراعت

---

[1] امام ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۲۳۱۔

میں ایسی شرائط جن کا تعلق رسوم و رواج سے ہو شرعاً فاسد اور ناقابل قبول ہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولا یؤخذ منهم ما قد یسمّونه رواجا لدراهم یؤدونها فی الخراج۔ فانه بلغنی ان الرجل منهم یأتی بالدراهم فیؤدیها فی خراجه فتقتطع منها طائفة ویقال هذا رواجها و صروفها لیه

ترجمہ: اور اہل خراج سے وہ رقم نہ لی جائے جو خراج کی رقم کے علاوہ "رواج" کے نام سے لی جاتی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب کاشتکاروں میں سے کوئی خراج (لگان) کی رقم لاتا ہے تو عامل (کلکٹر) اس سے کچھ سکے نکال کر کہتا ہے یہ تو رواج اور رسوم کی رقم ہوئی (اور اصل خراج میں اسی قدر باقی ہے)

امام ابو یوسفؒ تحصیلداروں کا یہ ظلم کہ وہ خراج، لگان یا مالگذاری کے علاوہ غریب کسانوں سے اپنی اجرت یا فیس یا تحفہ کے نام سے وصول کرتے ہیں اور بعض اوقات ان لوگوں کی اجرت یا تحفہ کی مقدار اصل لگان یا مالگذاری سے بھی بڑھ جاتی ہے، کی مذمت میں لکھتے ہیں:

حتّی لقد بلغنی أنه ربما وظّف له أكثر مما یطالب به الرجل من الخراج، فإذا أتاه ذلك الموجّه الیه قال له: أعطنی جُعلی الذی جعل لی الوالی، فان جُعلی کذا وکذا۔ فان لم یعطه ضربه وعسفه، وساق الغنم والبقر۔ ومن أمکنه من ضعفی المزارعین حتی یاخذ ذلك منهم ظلما وعدوانا۔ وهذا کله ضرر علی اهل الخراج ونقص للفئ مع ما فیه من الاثم۔[۲]

ترجمہ: حتّی کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اکثر اس (حوالدار) کا مطالبہ اجرت خراج (لگان۔ مالگذاری) کی اصل رقم سے بڑھ جاتا ہے اور جب یہ (حوالدار)

---

[۱] امام ابو یوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۲۳۱۔

کاشتکاروں میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ خراج کے علاوہ یہ میری مزدوری ہے جسے میرے لیے گورنر نے مقرر کیا ہے اور میری یہ مزدوری اس قدر اور اس قدر ہے۔ پھر اگر اُن غریبوں نے اس کا (مسلط کردہ) حق نہ دیا تو اُن کو مارتا ہے اور ظلم و جبر کرتا ہے، غریب کاشتکاروں کی گائے بیل اور بکریوں کے ریوڑ اور جو بھی ہاتھ لگتا ہے ہنکا لاتا ہے اور قبضے میں کر لیتا ہے یہ سب کچھ ظلم و تعدی سے ان سے وصول کرتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ قبیح حرکت اہل خراج (لگان) کے لیے سخت نقصان کا موجب ہے اور نتیجہ میں حکومت کی آمدنی کو بھی گھٹاتا ہے اور سب سے بڑی خطرہ کی بات یہ ہے کہ اللہ کریم کے ہاں یہ بڑا جرم ہے۔

دراصل امام ابو یوسفؒ اس زیادتی کی اس قدر مذمت بیان کر کے اسلامی ریاست کے سربراہ پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مزارعین کے بے لبس طبقے پر اُس کے کارندوں کا یہ ظلم نہ صرف ریاست کی سلامتی کے خلاف ہے بلکہ اللہ کریم کے ہاں بھی جرم عظیم ہے، جس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔ لہذا حکمران کا فرض ہے کہ وہ ایسی بے قاعدگیوں کو بیک جنبش قلم ختم کر دے۔

(۲) مجبور اور دکھوں کے مارے غریب کاشتکاروں پر ایک ظلم یہ کیا جاتا تھا اور کیا جاتا ہے کہ وڈیرے زمیندار اُن سے بیگار لیتے تھے (اور لیتے ہیں) اور اپنے گھروں پر ان سے جبراً کام لیتے ہیں، جسے یہ مجبور طبقہ بظاہر بخوشی سرانجام دیتا نظر آتا ہے۔ مگر اس خوشی اور بظاہر رضا مندی کے پیچھے وہ خطرہ اور ڈر کام کر رہا ہوتا ہے کہ اگر انکار کیا اور مصنوعی رضا مندی سے کام نہ کیا تو میاں صاحب (سائیں جی، خان صاحب) راتوں رات مار پیٹ کر اپنی زمین سے نکال دیں گے۔ لہٰذا وہ اس ستم کو خوش خوش برداشت کر رہے ہیں۔ مگر درحقیقت

ع ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

(۳) اسلام کے اقتصادی نظام ۔ جس نے ان بے نواؤں کو ذلت اور استحصال کے مقام سے اٹھا کر زمیندار وڈیرہ کے برابر کا مقام دیا ہے ۔ نے اس ظالمانہ استحصالی طریقہ کو بالکل حرام قرار دیا۔ اسلام کے اقتصادی نظام کے عادلانہ قوانین کی رو سے کوئی بھی فرد کسی دوسرے شخص سے اس کی رضا مندی اور اس کی پیشگی اجرت طے کیے بغیر اور اسے اس کی متعینہ اجرت بتائے

بغیر کوئی کام نہیں لے سکتا اور اگر کوئی طاقتور اپنی طاقت کے نشہ میں ایسی حماقت کرتا ہے تو عرش کے کریم سلطان کی کبریائی نگاہ عادلانہ نگاہ میں مجرم اور خاطی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے غلط کاروں کو تنبیہ کرتے ہوئے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

قال اللہ عزوجل: ثلثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ: رجل اعطیٰ لی ثم غدر، ورجل باع حُرًّا فاکل ثمنہ، ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ[1]

ترجمہ: عظیم و جلیل اللہ کریم نے فرمایا: تین قسم کے آدمی ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا۔ ایک وہ شخص جس نے مجھے اپنا عہد (وفا) دیا پھر غداری کی۔ (دوسرا) ایک وہ شخص جس نے آزاد کو غلام بنا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی۔ (تیسرا) ایک وہ شخص جس نے کسی (ضرورت مند سے) اجرت پر کام لیا، کام تو پورا لیا مگر اس کی واجبی اجرت نہ دی۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث مبارکہ کے جملہ "رجل استاجر" کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ھو فی معنی من باع حرا واکل ثمنہ لانہ استوفی منفعۃ بغیر عوض وکانہ اکلھا ولانہ استخدمہ بغیر اجرۃ وکانہ استعبدہ[2]

ترجمہ: کسی سے کام لے کر اس کی واجبی اجرت نہ دینا اس معنی میں ہے جیسے کہ کسی آزاد شخص کو فروخت کر کے اس سے معیشت پیدا کرنا، اس لیے کہ جب اس نے بغیر عوض کے اپنی منفعت کو پورا کر لیا تو گویا اس شخص کی ذات کو فروخت کر کے اس کو روزی بنا لیا اور اس لیے کہ بغیر اُجرت دیے خدمت لے لینا گویا اُس کو اپنا غلام سمجھ لینا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، باب الاجارۃ۔

[2] علامہ عسقلانیؒ: فتح الباری، ج ۴، ص ۲۳۱۔

علامہ بدرالدین عینیؒ مذکورہ بالا حدیث میں مذکور تیسرے شخص (جس نے کسی سے کام تو پورا پورا لیا مگر اُجرت نہ دی) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

واما الثالث فهو داخل فی بیع حرّ لانه استخدمه بغیر عوض وهذا عین الظلم[1]

ترجمہ: حدیث کے تیسرے جملہ کی شرح یہ ہے کہ ایسا شخص اس قسم میں داخل ہے کہ جس میں آزاد شخص کو فروخت کرنے کی حرمت کا ذکر ہے۔ اس لیے بغیر معاوضہ اداکیے کسی شخص سے خدمت لینا سراسر ظلم ہے۔

اور زمیندار کا کاشتکار سے بغیر معاوضہ کے بیگار لینا تو اور بھی بڑا ظلم ہے کیونکہ مزارعت تو دراصل دو فریقوں زمیندار اور کاشتکار کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس میں ایک طرف زمین ہے اور دوسری طرف محنت ہے لہٰذا یہاں بیگار کے طور پر کام لینا تو اصل معاہدہ کی خلاف ورزی بلکہ ڈھٹائی اور بے غیرتی ہے۔ اس بارے میں فقہاء اسلام کی رائے یہ ہے کہ کاشتکار کے ذمہ وہی کام ہیں جو اُجرت پر لی ہوئی زمین سے متعلق ہیں:

لأن السنة انما وردت بان الشرط علیهم ان یعملوها بأموالهم وبانفسهم فقط[2]

ترجمہ: اس لیے کہ سنت نبویؐ (علی صاحبها الصلوٰة والسلام) سے یہی نکلتا ہے کہ کاشتکار کے ذمہ ایک ہی شرط ہے کہ وہ اجارہ پر لی ہوئی زمین کو مال اور محنت کے ذریعے بوئے اور جوتے۔

(۴) بے بس کاشتکار اور اہل خراج پر ایک بڑا بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ ہوتا تھا اور ہوتا ہے کہ اگر بوجہ مفلسی یا قدرتی فصل کم ہونے کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے وہ لگان یا خراج کی

---

[1] بدرالدین عینی: عمدة القاری شرح صحیح بخاری، مطبع منیریہ، ۱۳۴۸ھ، ج ۵، ص ۵۹۱۔

[2] ابن حزم المحلی، قاہرة ۱۳۵۲ھ، ج ۸، ص ۲۳۴۔ ابن نجیم (زین العابدین)، البحر الرائق، قاہرة، ۱۳۲۴ھ، ج ۷، ص ۳۳۹ - ۳۴۰۔

رقم بروقت ادا نہ کر سکے تو بجائے اس کے اس غم کے مارے کی مدد کی جائے یا کم از کم درجہ میں اس کی دلجوئی کی جائے۔ اس کے مال مویشی یا گھر کا اثاثہ بیچ کر لگان یا خراج کی رقم وصول کر لی جاتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بیچارہ مالی طور پر اگلی فصل بھی بونے کے قابل بھی نہیں رہتا۔

(۴) اسلام کے اقتصادی نظام کے رحیمانہ قوانین میں صریح ظلم اور پرلے درجہ کی زیادتی ہے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ مصیبت اور غیر متوقع پریشانی کے شکار کاشتکار کا گھر کا سامان، مویشی یا دیگر آلات بیچ کر لگان کی رقم وصول کر لی جائے۔ اسلام کی نگاہ میں ایسا کرنا دراصل اُس غریب کے معاشی وسائل کو فروخت کرنا اور اسے مستقل معاشی بدحالی کا شکار بنانا ہے۔

آپ نے اس بحث کے نمبر ا کے ذیلی نمبر ۴ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وہ ارشاد پڑھا ہوگا جس میں انہوں نے علاقہ عکبرا کے عامل کو سختی سے تاکید کی کہ وہ خراج (لگان) کی وصولی میں نہ تو مزارعین کا سامان و مویشی بیچے نہ انہیں بدنی تکلیف دے بلکہ نرمی اور سہولت سے خراج وصول کرے یعنی انہیں اس قدر مہلت دے کہ وہ خوشحال ہو کر اپنا لگان اور خراج ادا کر سکیں ذیلی نمبر ۴ ملاحظہ کر لیں۔

(۵) اسلام کے عادلانہ نظام سے قبل اور آج کل بھی ایک ظالمانہ طریقہ یہ رہا ہے کہ حکومت زمیندار اور وڈیروں۔ جو دراصل حکومت کی ظالمانہ سیاست کے مہرے ہوتے ہیں۔ کو خوش رکھنے کے لیے سرکاری افتادہ مگر شاداب زمینیں مفت یا معمولی ٹیکس پر بطور چراگاہ یا راکھ کے دے دیتی ہیں۔ وہ زمینداران میں سے درختوں اور گھاس کے ذریعے دولت کماتے ہیں غریب کسانوں اور دوسرے شہریوں کے ڈھور ڈنگر ان کے قریب تک نہیں پھٹک سکتے۔ اس طرح ان غریبوں کو ایک بڑی مشکل اور آزمائش میں گرفتار کر دیا جاتا ہے۔

اسلام کے اقتصادی نظام میں ایسی چراگاہوں یا راکھوں کا تصور نہیں ملتا۔ اگر سرکاری چراگاہ (حمی) ہوئی تو وہ بھی بوقت ضرورت رعایا کے لیے عام ہوگی اور ذاتی چراگاہ کے اس ظالمانہ طریقہ کو اسلام ایک آن کے لیے نہیں برداشت کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لا حمی الا للہ ورسولہ [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ۔

ترجمہ: حمی یعنی مویشیوں کے لیے چراگاہ کی حد بندی اللہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔

عدل فاروقی اس سلسلہ میں بہت وسیع تھا آپ نے تو یہاں تک اعلان کرا دیا کہ قحط سالی یا خود رو گھاس پھوس کی کمی کے زمانے میں سرکاری چراگاہ (جس میں بیت المال کے جانور چرا کرتے تھے) تمام رعایا کے لیے عام ہو گی اور اس اجازت میں بھی غریب کاشتکاروں کو اغنیاء اور زمینداروں پر ترجیح دی جائے گی۔ حضرت اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ مندرجہ ذیل بیان پڑھیے اور اسلام کے اقتصادی نظام کی رحیمانہ پالیسی کا اندازہ کیجیے:

"حضرت اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اُس وقت امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا جب انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام "ھنی" کو سرکاری چراگاہ پر نگران بنایا تو فرمایا: اے ھنی! خبردار اپنے بازوؤں کو (غریب) لوگوں سے سمیٹے رکھنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا اس لیے کہ وہ اللہ کریم کے ہاں مقبول ہے۔ تو میری اس قائم کردہ چراگاہ میں بکریوں اور دیگر چوپایوں کے ریوڑ والوں کو اجازت دے کہ وہ چرائیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے چوپایوں کی پرواہ نہ کر اس لیے کہ اُن کے چوپائے ہلاک بھی ہو جائیں تو وہ مدینہ منورہ میں اپنے کھجوروں کے باغ اور زمین کی کاشت سے فائدہ اُٹھا سکیں گے اور اگر غریب چرواہوں کے چوپائے ہلاک ہو گئے تو یہ مسکین چیختے پکارتے آئیں گے اور اے امیر المؤمنین! پکار پکار کر مدد طلب کریں گے اور بیت المال کی رقم پر بوجھ ڈالنے سے میرے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ ان کو چراگاہ کے گھاس پانی سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت رہے[1]۔"

(٦) ایک ظالمانہ دستور یہ بھی تھا (اور ہے بھی) کہ زمیندار خودرو گھاس، خودرو درختوں، خشک لکڑی، تالاب وغیرہ کے استعمال اور فوائد کا بلا شرکت غیرے مالک تھا (اور آج بھی ہوتا ہے)

---

[1] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۲۲۲ - ۲۲۳ -

اور اُن کی اجازت (جو اکثر و بیشتر نہیں دیا کرتے) کے بغیر کسی کو اُن سے استفادہ کی طاقت نہ تھی۔ غرباء کے لیے یہ رواج — جسے قانونی تحفظ بھی حاصل تھا (اور ہے) ایک بڑی معاشی رکاوٹ تھا۔

اسلام کے اقتصادی نظام نے اس ظالمانہ دستور کو بھی موقوف کر دیا۔ ان اشیاء یعنی پانی کو تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا کیونکہ درحقیقت یہ اشیاء انسانوں کی بنیادی ضروریات زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس ظالمانہ دستور کا خاتمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان ارشادات میں کر دیا

المسلمون شرکاء فی الثلاث: الماء والکلاء والنار[۱]

ترجمہ: مسلمان تین اشیاء میں برابر کے شریک ہیں وہ ہیں: پانی، گھاس اور آگ۔

لاتمنعوا فضل الماء لتمنعوا به فضل الکلاء[۲]

ترجمہ: ضرورت سے زائد پانی سے لوگوں کو اس لیے نہ روک دیا کرو کہ اس بہانہ سے تم کو فاضل گھاس سے روکنے کا موقع مل جائے۔

امام ابو یوسفؒ اشیاء کے افادہ عام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"اگر کسی بستی والوں کے متعلق یہ معلوم ہو کہ ان کی چراگاہیں — جن میں وہ اپنے مویشیوں کو چراتے اور اُن سے سوختہ حاصل کرتے ہیں — ان کی ذاتی ملکیت ہے تو وہ ذاتی ملک ہی رہیں گی اور اُن کو اس کے فروخت کرنے خریدنے اور ترمیم و تنسیخ کرنے کا حق ہے اور ان میں انکی وراثت بھی جاری رہے گی لیکن اُن سب باتوں کے باوجود اُن کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ وہ چراگاہ کی خود رو گھاس اور اس کے پانی سے دوسروں کو روکیں اور چرواہوں اور مویشیوں والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بلا روک ٹوک ان چراگاہوں میں چرائیں اور ان کا پانی پئیں پلائیں"[۳]

---

[۱] ابو داؤد: السنن، کتاب البیوع۔

[۲] صحیح بخاری، کتاب الشرب ۲۔ ابو داؤد کتاب البیوع۔ جامع ترمذی، کتاب البیوع۔

[۳] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۲۲۰۔ ۲۲۱۔

مزید مراعات

مذکورہ بالا بحث میں تو ان ظالمانہ قوانین، رواج اور رسوم کا ذکر تھا جن کے نیچے دب کر کاشتکاروں اور مزارعین کے ایک ضرورت مند اور کمزور طبقہ کی کمر ٹوٹ گئی اور جن کے سدّ باب کے لیے اسلام نے اپنے عادلانہ اور رحیمانہ معاشی قوانین کا مجموعہ عنایت کیا۔ اب اس عنوان کے تحت ہم چند مزید معاشی قوانین اور مراعات کا ذکر کرتے ہیں جن کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اسلام نے اس مظلوم زمینداروں کے استحصال سے بچانے کے لیے کیا کیا طریقے اور ذرائع اختیار کیے ہیں۔

ا ۔ اگر کوئی زمین غرق آب ہو جائے یا خشک سالی کے سبب قابل کاشت ہی نہ رہے یا کسی اور آفت سماوی کی وجہ سے فصل تباہ ہو جائے تو اس فصل یا جتنی فصلیں نہ ہو سکیں اُن کا خراج (مالگذاری۔ لگان) معاف ہے اور اگر پوری فصل تباہ نہ ہوئی مگر ایک حصّہ تباہ ہو گیا، تو جسقدر تباہ ہو گئی اُس قدر خراج (لگان۔ مالگذاری) معاف ہو گا، اس معافی کا اطلاق خراج مؤظف (نقد لگان) اور خراج مقاسم (بٹائی) دونوں پر ہو گا، فقہاء اسلام کی اس سلسلہ میں رائے یہ ہے۔

ولاخراج إن غلب على أرضه الماء أو انقطع أو أصاب المزرع آفة [1]

ترجمہ: اگر کاشتکار کی زمین غرق آب ہو گئی یا اس کا پانی منقطع ہو گیا یا اس کی کھیتی کسی سماوی آفت کا شکار ہو گئی تو (ان سب صورتوں میں) لگان نہیں ہو گا۔

اگر کاشتکار نے حکومت یا زمیندار سے زمین کو اجارہ بٹائی (مزارعۃ) سے لیا تو اس صورت میں بھی ان تینوں حالتوں میں مالگذاری اور لگان قطعاً معاف ہو گا یا بقدر نقصان معاف ہو گا۔[2]
اگر زمین کو کراء الارض (نقد لگان) پر لیا تو جمہور فقہاء اسلام کی رو سے بھی تینوں حالتوں میں لگان یا مالگذاری معاف ہو گا۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زمین سے کے

---

[1] کنز مع شرح بحر الرائق، ج ۵، باب الخراج، ص ۱۱۷

[2] مولانا حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام (۱۹۵۹ء)، ص ۲۱۱۔

غرق آب ہو جانے یا پانی سے محروم ہو جانے کی صورت میں تو معاف ہے لیکن کھیتی پر آفت ہو جائے تو بعض صورتوں میں لگان واجب ہو گا اور اکثر صورتوں میں معاف رہتا ہے۔ البتہ لگان واجب رہنے کی صورت میں بھی حکومت یا زمیندار کاشت کار سے اُس وقت تک مطالبہ نہیں کر سکے گا جب تک اُس کے حالات بہتر نہ ہو جائیں۔[1]

(۲) اگر کاشتکار زمین کا خود مالک نہیں اور کاشتکار اور حکومت کے درمیان زمیندار کا بھی دخل ہے تو سرکاری مالگذاری (عشر یا خراج جو بھی ہو) اصولاً زمیندار کے ذمہ ہے نہ کہ کاشتکار کے ذمہ۔

والحاصل ان العشر عند الامام علیٰ رب الأرض مطلقاً وعندهما كذلك. لو البذر منه ولو من العامل فعليهما. ثم اعلم ان هذا كله في العشر واما الخراج فعلى رب الأرض اجماعاً[2]

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر ہر حالت میں مالک زمین پر واجب ہے۔ یہی رائے صاحبینؒ (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی ہے) اگر بیج مالک زمین کے ذمہ واجب ہے اور اگر کاشتکار کے ذمہ واجب ہے تو دونوں کے ذمہ بقدر حصہ ہو گا اور واضح رہے کہ یہ تفصیل بھی عشر کے بارے میں ہے، جہاں تک خراج (اور نقد لگان۔ کرایہ الارض ہے) تو وہ تمام ائمہ کرام کے نزدیک مالک زمین پر ہو گا۔

(۳) اگر زمین سرکاری ہے اور کاشتکار مقررہ لگان ادا کر رہا ہے تو اس کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جائے گا اور یہ اس لیے کہ غریب کاشتکار جبکہ زمین نہیں رکھتا اور اس نے اپنی معاش کے لیے ایک زمین کو کرایہ پر حاصل کیا ہے تو اس کو یہ حق ملنا چاہیے کہ جب تک وہ واجبی لگان ادا

---

[1] مولانا حفظ الرحمان: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۱۱۔

[2] ابو یوسفؒ: کتاب الخراج، ص ۸۶۔

کرتا ہے اُس سے اُس کا زندگی گذارنے کا ذریعہ نہ چھینا جائے۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔

ثم اعلم ان أراضی بیت المال المسماۃ باراضی المملکۃ وارضی الحوز إذا کانت فی أیدی زراعها لا تنزع من أیدیهم ماداموا یؤدونها ما علیها ولا یورث عنهم إذا ماتوا ولا یصح بیعهم لها ولکن جری الرسم فی الدولۃ العثمانیۃ ان من مات عن ابن انتقلت لابنه مجانا والا فلبیت المال[1]

ترجمہ: یہ واضح رہے کہ بیت المال کی (سرکاری) زمین جو "ارض مملکت" اور "ارض حوز" کہلاتی ہیں اُنھیں اگر کاشت کار کاشت کر رہے ہیں تو جب تک وہ مقررہ لگان ادا کر رہے ہیں اُن زمینوں کو اُن کے قبضہ سے نہیں نکالا جائے گا۔ البتہ وہ ان میں وراثت نہیں چلا سکتے اور نہ اُن زمینوں کو فروخت کرنے کا انہیں حق ہے۔ لیکن دولت عثمانیہ میں یہ رسم جاری ہو گئی ہے کہ اگر کسی کاشت کار کے انتقال کے وقت اُس کا لڑکا موجود ہے تو وہ سرکاری زمین اس کی طرف مفت منتقل ہو جاتی ہے ورنہ تو پھر بیت المال ہی کی جانب واپس ہو جاتی ہے۔

اگرچہ یہ حکم وقف زمین اور سرکاری حکومت کے بارے میں ہے لیکن کاشتکار کے قبضہ میں رہنے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ "وہ لگان برابر ادا کر رہا ہے" وہ تو کسی زمیندار کی شخصی زمین پر بھی صادق آتی ہے، لہٰذا اسلامی ریاست کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسا قانون بنا دے کہ مذکورہ شرط اور وجہ کے ہوتے ہوئے کوئی زمیندار مزارع سے زمین خالی نہ کرائے البتہ اگر وقت ساتھ ساتھ زمین کا لگان بڑھ رہا ہے تو اس مالک زمین کو بھی حق حاصل ہوگا کہ اپنے لگان یا زمین کے اجارہ میں اضافہ کرے[2] مگر خالی نہ کرائے کیونکہ یہ اس غریب کسان کا ذریعہ معاش ہے۔

---

[1] ابن عابدین: رد المختار، ج ۳، باب العشر والخراج والجزیہ، ص ۲۵۵

[2] مولانا حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام (۱۹۵۹ء)، ص ۲۱۵ - ۲۱۶

۴۔ اگر کاشتکار زمین میں کوئی درخت لگائے یا رہنے کے لیے مکان بنائے اور اس سے زمین کو کوئی نقصان بھی نہ پہنچے تو مالک زمین اس کو ایسا کرنے سے نہ روکے اور یہ مکان یا درخت مزارع ہی کی ملک ہوگا۔ البتہ جب وہ زمین چھوڑنا چاہے یا زمین کا معاہدہ مزارعت فسخ کرنا چاہے تو پھر یا تو اپنا مکان اور درخت اٹھائے یا مالک زمین کو دے دے ہاں مالک زمین سے یہ توقع کی جائے گی کہ وہ مزارع کو اس کے مکان یا درخت کا معاوضہ دیدے۔

للمستاجر غرس الشجر بلا اذن الناظر اذ لم يضر بالارض، وليس له حفر الا باذن ويأذن له خيرا والا ما وما بناه مستاجر او غرسه فلم مالم ينوه الوقف[1]

ترجمہ: ناظر وقت کی اجازت کے بغیر کاشتکار کو درخت لگا لینے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے زمین کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔ البتہ اس کو ناظر کی اجازت کے بغیر کھدائی کا حق نہیں ہے۔ مگر ناظر کو چاہیے کہ اگر زمین کے لیے یہ امر بہتر ہے اور کسی طرح مضر نہیں ہے تو اجازت دیدے ورنہ وہ نہ دے۔ تاہم کاشتکار نے جو مکان تعمیر کیا ہے یا جو درخت لگایا ہے وہ کاشتکار کا ہی ہے جب تک کہ وہ اسے وقف نہ کر دے۔

الغرض، یہ ان مراعات اور سہولیات میں سے چند ایک بطور نمونہ درج کی گئی ہیں جو اسلام کا عادلانہ معاشی نظام کاشتکار اور مزارع کے مظلوم طبقہ کو معاشی دنیا میں بہتر مقام دینے اور انھیں ملکی اور قومی معاشی فلاح میں بہتر کردار ادا کرنے کے اہل بنانے کے لیے دیتا ہے۔

اب تک ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ زمین بحیثیت عامل پیدائش کے چند اہم مسائل کا ذکر کیا ہے، مزید اور مفصل مسائل کے لیے کتب فقہ اور بالخصوص ان کے ابواب مزارعت احیاء الموات، اجارۃ الارض، احکام الشرب وغیرہ کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

---

[1] درمختار بردالمحتار، ج ۳، ص ۵۹۳، بحث ارض موقوفہ۔